یعنی

محمد ظہیر الدین بابر بادشاہ غازی بانی سلطنت مغلیۂ ہند کی سوانح عمری

مؤلفہٴ

نواب صدر یار جنگ مولانا محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی

جو

اوّل ۱۸۹۰ء میں حیدرآباد (دکن) کے مشہور ماہوار رسالہ "حسن" میں

اور بعد ازاں بشکل کتاب

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

شروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں چھپی

بار سوم (۳)

۱۳۵۶ھ
۱۹۳۷ء

ایک ہزار جلد (۱۰۰۰)

کانفرنس گزٹ علی گڑھ

یعنی

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا تعلیمی و اصلاحی اخبار

جو زیر نگرانی

نواب صدر یار جنگ بہادر آنریری سکریٹری کانفرنس

مہینہ میں چار بار شائع ہوتا ہے۔ اس میں علی گڑھ کی تعلیمی تحریک، مسائل تعلیم و تربیت موجودہ نظام تعلیم اور اصلاح تمدن و معاشرت پر بحث کی جاتی ہے۔ ہندوستان کے اسلامی پریس نے نہایت عمدہ و حوصلہ افزا الفاظ میں اس پر ریویو کیا ہے اور اس کے اخلاقی و اصلاحی بلند پایہ مضامین کی خاص طور پر مدح و ستائش کی ہے اور پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس صوبجات متحدہ نے اپنے اجلاس دہم منعقدہ اکتوبر ۱۹۳۴ء مقام علی گڑھ کے رزولیوشن کے ذریعے سے پبلک کو اس کی مالی و اخلاقی اعانت پر زور سے متوجہ کیا تھا۔ طلبہ، اساتذہ، والدین اور عام ناظرین غرض سب کے لئے اس کا مطالعہ مفید اور ضروری ہے۔ اخبار بہت عمدگی و نفاست سے اچھے کاغذ پر چھپتا ہے اور متعدد تعلیم یافتہ و لائق اصحاب اس میں بلند پایہ مضامین لکھتے ہیں اور جدید تالیفات پر خاص اہتمام سے ریویو کرکے ارباب تالیف کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ نمونہ ایک کارڈ لکھنے پر مفت ملتا ہے۔ قیمت سالانہ تین روپیہ ([illegible])

اڈیٹر: اکرام اللہ خاں ندوی

ملنے کا پتہ: صدر دفتر کانفرنس سلطان جہاں منزل علی گڑھ

فہرست مضامین

تذکرۂ بابر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

آج سے تقریباً چالیس برس پہلے اردو کا اہم باِسمیٰ رسالہ "حسن" فرخندہ بنیاد حیدرآباد سے شائع ہوا تھا۔ مرحوم عماد نواز جنگ بہادر مدیر تھے۔ چیدہ مضامین پر ایک اشرفی انعام دیا جاتا تھا۔ "حسن" اردو کا دوسرا متین علمی رسالہ تھا۔ اوّلیت کا امتیاز سرسید مرحوم کے "تہذیب الاخلاق" کو حاصل ہوا۔

اگرچہ رسالہ "حسن" تھوڑے ہی زمانہ تک جاری رہا تاہم اس کی متانت اور علمی شان نے ادب اردو میں گہرا نقش چھوڑا۔

وہ زمانہ میری طالب علمی کا تھا بایں ہمہ مجھ سے مضمون کی فرمائش ہوئی فرمائش کے بعد تقاضا ہوا۔ آگرہ کالج کے کتاب خانے میں "واقعات بابری" کا ایک نادر نسخہ تھا۔ اس کی نقل میں نے وہاں کی طالبعلمی کے دور میں حاصل کی تھی اس لئے بابر کی یاد ذہن میں تازہ تھی۔ اسی لئے میں نے بابر کے حالات پر واقعات بابری اور تاریخ فرشتہ کی مدد سے مضمون لکھ کر رسالہ مذکور کو بھیجا۔ میری مسرت کا اندازہ فرمائیے جو مجھ کو اس خبر سے ہوئی کہ مضمونِ مذکور اشرفی کے انعام کا مستحق ٹھہرا۔

جون ۱۹۰۰ء سے ستمبر سنہ مذکور تک مضمون بالا رسالہ "حسن" میں شائع ہوتا رہا۔

اس کو سینتیس ۳۷ برس گزر گئے۔ وہ وقت ابتدائے شباب کا تھا، زندگی تازہ بہار
تھی، امیدوں کے پھول دل و دماغ میں شگفتہ و شاداب تھے۔ زندگی بعینہٖ اُسی دلاویزی
کے ساتھ نظر کے سامنے تھی جیسے کسی خوشنما شہر کا پہلا منظر۔

مانا کہ دل و دماغ آرزو کدہ تھا اور امیدوں کا مسکن تھا، مگر یہ وہم و گمان بھی
نہ تھا کہ ایک روز مضمون کی طرح مضمون نگار کو بھی اس اسلامی سرزمین میں
حاضری اور خدمت کا شرف حاصل ہوگا اور پورے تین قرن گزرنے پر مضمون
رسالے کی شکل میں نمایاں ہو کر تمہید لکھنے کا مطالبہ کریگا۔

مضمون کے مطالب میں کسی ترمیم یا اضافے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔
البتہ مقتضائے عمر نے قطعاً بعض الفاظ کی شوخی و رنگینی پر چشمک زنی کی، مگر تصرف
سے یہ خیال مانع رہا کہ یہ شوخی و رنگینی زندگی کے دورِ عزیز کی امانت ہے اور امانت
میں دست اندازی ناروا۔ وہ عزیز عہد نہ رہا تو اُس کی یادگار رہے، یاد رہے ع

جوانی کجائی کہ یادت بخیر

محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی
المخاطب صدر یار جنگ

حیدرآباد دکن:
۳ شعبان ۱۳۴۵ھ، فروری ۱۹۲۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرۂ

شاہ بابر غازی

تاتاری مغلوں کے خصائص

تاتاری مغلوں کے کارنامے پڑھ کر یہ باور کرنے کی ہر ایک وجہ ہے کہ شجاعت اور عزم ان میں ایک فطری جوہر تھا۔ اُن کی شجاعت اور ان کا عزم وحشت سے بھی دو قدم آگے تھا۔ اپنے وطن سے نکل کر ماوراء النہر، ایران اور خراسان وغیرہ ممالک میں جس طرف گئے فتح اور بربادی اُن کے ہمرکاب رہی۔ دریائے والگا سے لیکر سندھ اور گنگا تک چنگیز خاں اور امیر تیمور کی تلوار سے کہیں پناہ نہیں تھی۔ نیشا پور اور جرجانیہ (دار السلطنت خوارزم[1]) کے مثل بہت سے شہر اس سیلِ تاتار میں ایسے بہے ہیں کہ اب بعضوں کے کھنڈر بھی ملنے دشوار ہیں۔ خلافتِ عباسیہ

---

[1] بخارا اور بحیرۂ خزر کے درمیانی ملک کا نام ہے۔ ۱۲۔

کا خاتمہ اسی خاندان کے ایک بادشاہ کے ہاتھ سے ہوا جس کا مہیب نام ہلاکو ہے۔
حسن بھی فطرت نے ان کو قیاضی سے عطا کیا تھا ایرانی تغزل میں ترک سنگدل
دلربا کے ہم معنی ہے مگر حیرت کی بات ہے کہ اس وحشت اور قساوت کے باوجود
کمال اور باکمالوں کے قدرداں تھے ہلاکو خاں کے دربار میں محقق طوسی نہایت
محترم تھے۔ مراغہ (ملک آذربائیجان) کی مشہور رصدگاہ محقق موصوف نے ہلاکو خاں
کی سرپرستی میں بنائی تھی۔ امیر تیمور علامہ تفتازانی اور میر سید شریف جرجانی سے
بہت ہی مخلصانہ پیش آتا تھا۔

امیر تیمور اور اس کے وارث

امیر تیمور نے دریائے والگا سے گنگا کے کنارہ تک فتح کر کے کوئی صاحب
داعیہ حاکم ان ملکوں میں نہیں چھوڑا تھا اور قریباً اس تمام ملک پر وہ خود فرماں روا
تھا جس سلطنت کی بنا محض قہر اور تسلط پر ہو اس کی پائداری معلوم۔ امیر تیمور کے
مرتے ہی اس عظیم الشان سلطنت کے تمام اجزا پریشان ہو گئے اور اس کے وارث
چھوٹے چھوٹے ملکوں پر قابض ہو بیٹھے۔ اس زمانہ کی اسلامی سوسائٹی کا اثر اس
واقعہ سے خوب معلوم ہو سکتا ہے کہ امیر تیمور سے جابر اور تندخو بادشاہ کی اولاد
میں شاہ رخ میرزا اور الغ بیگ میرزا سے نیک دل کریم النفس اور عالم بادشاہ ہوئے
اس کی اولاد میں نہ تو کوئی ایسا زبردست تھا جو سب کو زیر کر کے خود تمام سلطنت

کا مالک ہو جاتا اور نہ وہ ایسے پست ہمت تھے کہ اپنے اپنے ملک پر قانع رہتے ہیں کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ لڑائیوں کا ایک غیر مسلسل ہنگامہ ہمیشہ باہم برپا رہتا تھا جس زمانہ سے ہمارے ہیرو کو تعلق ہے اس زمانہ میں سمرقند پر سلطان احمد میرزا بابر کے ایک چچا کی حکومت تھی اور بدخشاں، قندز[1] اور ترمذ[2] اور حصار[3] پر سلطان محمود میرزا[4] کی عملداری تھی اور کابل و غزنی پر الغ بیگ[5] میرزا قابض تھا تاشقند اور شاہرخیہ[6] پر بابر کا ماموں سلطان محمود خاں حکمراں تھا اور خراسان پر سلطان حسین میرزا کی فرمانروائی تھی۔ ولایت فرغانہ پر بابر کا باپ عمر شیخ میرزا حاکم تھا۔

بابر کا باپ

عمر شیخ میرزا بابر کا باپ سلطان ابوسعید میرزا کا بیٹا اور سلطان ابوسعید میرزا میراں شاہ پسر امیر تیمور کا پوتا تھا۔ پستہ قد، فربہ اندام، ڈاڑھی گول، رنگ سُرخ میگوں یہ حلیہ ہے عمر شیخ میرزا کا۔ پڑھا لکھا معمولی سا تھا۔ حضرت عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا ارادتمند مرید تھا اور حضرت خواجہ بھی فرطِ شفقت سے فرزند فرمایا کرتے تھے۔ حنفی المذہب نماز و تلاوت کا پابند بڑا گویا اور خوش بیان تھا۔

---

[1] افغانستان کے شمالی سرحد کے قریب واقع ہے ۱۲ [2] دریائے آکسس یا جیحون کے شمالی کنارہ پر سرحد افغانستان کے قریب ہے ۱۲ [3] مغربی ترکستان کا ایک شہر ہے ۱۲
[4] بابر کا دوسرا چچا ۱۲ [5] بابر کا تیسرا چچا ۱۲
[6] سیحون کے شمال میں تھا اور اب ویران ہے ۱۲

ایک مرتبہ ختا[1] سے ایک کارواں آتا تھا۔ اندجان کے قریب پہاڑوں پر سرد مہر برف نے سب آدمی قافلہ کے ہلاک کر ڈالے۔ عمر شیخ میرزا نے اپنے ملازم وہاں بھیجے اور تمام اسباب منگوا کر بحفاظت رکھ چھوڑا۔ دو برس کے بعد خراسان اور سمرقند سے مال کے وارث تلاش کراکے بلوائے اور مال ان کو سونپ دیا[2]۔ چونکہ امیر تیمور کا پوتا تھا اس لئے ہمیشہ ملک گیری کے ہوس میں اپنے بھائیوں سے لڑتا رہا۔ ان کے زیر کرنے کو کبھی تو سسرال والوں کی مدد لاتا تھا اور کبھی خود سسرال والوں پر چڑھ دوڑتا تھا۔ بابر لکھتا ہے کہ "کبھی تو عمر شیخ مرزا کی بدسلوکی کے سبب اور کبھی خود اپنی مخالفت کی سبب یہ لوگ[3] اس کے ولایت میں نہ ٹھہر سکے اور ہمیشہ اپنے ملک مغولستان[4] کو پلٹ پلٹ گئے" اس لئے ان سسرال والوں کی مدد سے کچھ فائدہ نہیں ہوا بلکہ جو ملک تاشقند و شاہرخیہ ان کو مدد کے عوض میں دے گئے تھے وہ ہمیشہ کے واسطے عمر شیخ میرزا کے قبضہ سے نکل گئے۔ ۴ رمضان ۸۹۹ھ ہجری کو اخسی کے قلعہ میں کبوتر خانہ کی چھت پر کھڑا تھا کہ کبوتر خانہ مع اس کے زمین پر آرہا اور عمر شیخ میرزا کی روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ وفات کے وقت اس کی عمر ۳۵ برس کی تھی۔ اخسی میں دفن ہوا۔

---

[1] چین کا مغربی حصہ ۱۲ [2] یہ واقعہ تاریخ فرشتہ میں بابر کی طرف منسوب ہے مگر بابر نے اپنے باپ کے حالات میں لکھا ہے ۱۲ [3] سسرال والے ۱۲ [4] منگولیا ۱۲

بابر کی ماں

بابر کی ماں قتلق نگار خانم یونس خاں مغل کی بیٹی تھی۔ یونس خاں پسر چنگیز خاں
کی اولاد میں تھا اور مغولستان کے جرگوں پر اس کی سرداری مسلم تھی۔ اِس
طرح بابر کی رگوں میں تیمور اور چنگیز سے دو اُولوالعزموں کا خون جوش زن
تھا۔ اس کی ماں ایسی ہی بہادر تھی جیسے اس زمانہ کی ایک ترک عورت ہونی
چاہیئے بابر نے لکھا ہے کہ "اکثر معرکوں اور لڑائیوں میں میری ماں ساتھ رہتی
تھی" ۹۱۱ھ میں چھ روز بیمار رہ کر کابل میں فوت ہوئی اور وہیں سپردِ خاک کی گئی

ولایتِ فرغانہ

ولایت فرغانہ ترکستان کی ایک چھوٹی سی ولایت تھی جو دریائے سیحون
کے دہانہ کے قریب اس کے دونوں کناروں پر واقع تھی مشرق میں کاشغر
مغرب میں سمرقند جنوب میں کوہستان سرحد بدخشاں اور شمال میں غیر آباد ملک
واقع تھے تین طرف پہاڑی سے محصور ہے اور شمال جنوب یا مشرق کے دشمن صرف
غرب کی طرف سے بڑھ کر حملہ کرسکتے ہیں۔ یہ ولایت سرد سیر ہے اور دریائے سیحون
اور چھوٹے چھوٹے چشموں سے سیراب ہے جو برکتیں ایک سرد ملک پر نازل ہوتی
ہیں ان میں یہ بھی شریک تھا۔ عام ملک کی آب و ہوا صحت بخش تھی باشندے

شجاع اور قوی تھے اور غلہ و میوہ کثرت سے پیدا ہوتا تھا۔ اوش، اندجان، مرغینان
اور خجند مشہور قصبے تھے اور اب تک نقشہ میں ان کا پتہ ملتا ہے بابر کے عہد میں
اسفرہ اور اخسی دو اور قصبے تھے لیکن اب ان کا نشان نقشہ میں نہیں ہے
مسلمانوں کی اقبالمندی کے دنوں میں بعض نہایت مشہور باکمالوں پر یہ خطہ بھی
نازاں تھا قطب صاحب دہلی کا متبرک مزار دلّی میں ہے) اوش کے اور صاحب
ہدایہ مرغینان کے اور خواجہ کمال خجند کے فخر تھے۔ عمر شیخ میرزا نے اخسی کو دارالسلطنت
قرار دیا تھا اس کا قلعہ شہر سے ایک میل دور پہاڑ کے اونچے درّے پر بنا ہوا تھا
اور دریائے سیحون کی پُر زور موجیں اس کی بلند اور استوار فصیل کے قدم دھو
دھو کر پیا کرتی تھیں یہ ولایت ہے جو بابر کو ارث میں ملنے والی تھی۔

بابر کی پیدائش

۶ محرم ۸۸۸ھ کو وہ نامور بچہ پیدا ہوا جو ملک ہندوستان میں ایک عالی شان
سلطنت قایم کرنے والا تھا بابر اپنے والدین کا سب سے بڑا بیٹا تھا حسامی شاعر
نے تاریخ ولادت یوں لکھی ہے ؎

اندر شش محرم زاد آں شہ مکرم
تاریخ مولدش ہم آمد شش محرم

اس کے بچپن کا کوئی واقعہ ہم کو معلوم نہیں ہوا صرف یہ معلوم ہے کہ پانچ برس

کی عمر میں سمرقند اپنے چچا سلطان احمد میرزا کے پاس گیا اور وہیں اس کے چچا نے
اپنی بیٹی عائشہ سلطان بیگم کی نسبت اس کے ساتھ کی۔ سمرقند اندجان سے
تقریباً ۲۰۰ میل ہی اس زمانہ کے نا سمجھ بچے اتنی مسافت طے کر ڈالتے تھے اور پھر اس
وقت کے دشوار گزار اور پر خطر راستے کہ ہر قدم پر پہاڑ اور دریا موجود اور ہر دم
دشمن کا خوف۔ افسوس! ہم ہیں جو تمام عمر گھر کی چار دیواری سے باہر نہیں نکلتے
حالانکہ آج سفر میں گھر سے زیادہ سامان آسائش ہیں بابر کی تعلیم و تربیت قاضی
عبداللہ (المشہور بخواجہ مولنا) کے سپرد کی گئی۔ قاضی عبداللہ شاہ شیخ الاسلام
برہان الدین کی اولاد میں اور خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ فرغانہ
کے مذہبی مقتدا اور صاحب نسبت بزرگ تھے علم و فضل کے ساتھ بہادری کا جوہر بھی
نورانی پیشانی سے نمایاں تھا بابر ہر چند خود بڑا بہادر تھا مگر ان کے ثبات و استقلال
سے اس کو بھی حیرت تھی اگرچہ ٹھیک طور پر یہ نہیں معلوم ہوا کہ استاد سے
اس نے کیا کیا پڑھا لیکن بابر کی سرگزشت شاہد ہے کہ خواجہ مولنا کی تربیت نے
اس کے دل پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ راستبازی اور سادگی جو اس کے چال چلن میں
کوہ نور کی طرح تاباں ہے وہ زیادہ تر اسی باخدا کے فیض تربیت سے حاصل
ہوئی تھی اس کی علمی لیاقتوں کو ہم آخری ریمارک میں بیان کریں گے۔
شاہان تیموریہ کا یہ قاعدہ رہا کہ بچوں کو سمجھدار ہوتے ہی کسی امیر کی سپردگی میں
اپنے دور دراز ملکوں کو بھیج دیتے تھے ملک کی حکومت انہیں پر ہوتی نام ان کا نام

شامل ہو جاتا تھا اور امراء اُن کے کردار و اطوار کے نگراں رہتے تھے بارھویں برس کے شروع میں بابر شیخ فرید بیگ کی اتالیقی میں اندجان بھیجا گیا خواجہ مولانا بھی ہمراہ تھے اسی سال سلطان احمد میرزا اور سلطان محمود خاں (بابر کا ماموں) عمر شیخ میرزا کی لڑائیوں سے تنگ آ کر باہم متفق ہوئے اور دونوں نے جنوب اور شمال سے اُس کے ملک پر حملہ کرنے کے قصد سے حرکت کی بشاید موت کو بھی ان حملہ آوروں کے ساتھ پوری ہمدردی تھی کہ ان کے فرغانہ میں قدم رکھتے ہی اس نے بھی اپنا وار (جیسا کہ بیان ہوا) عمر شیخ میرزا پر کیا۔ بابر اندجان میں دم نہ لینے پایا تھا کہ باپ کا سانحہ پیش آیا۔ ۵ رمضان ۸۹۹ھ ہجری کو بابر چاربا‏غ کی سیر کا لطف اٹھا رہا تھا کہ اس حادثہ کی خبر پہنچی بدّول تو اس چھوٹی عمر میں باپ کی مفارقت دوسرے ملک دشمن سے گھرا ہوا سنتے ہی بیتاب ہو گیا جو نوکر وہاں موجود تھے اُن کو ہمراہ لے کر سیدھا قلعہ میں پہنچا اور قلعہ میں پہنچتے ہی تخت پر جلوہ افروز ہوا۔

بابر کی تخت نشینی

اس وقت اس کی عمر بارہ برس کی تھی تخت پر بیٹھتے ہی مصائب ہر طرف سے کھڑے ہو گئے اور جو دشوار مرحلے بابر کو طے کرنے تھے اس کی پہلی منزل تخت پر تھی بجائے اس کے کہ تخت نشینی کا جشن ہوتا یا بزم نشاط گرم ہوتی ہر شخص برج و فصیل کی

فکر میں پڑ گیا۔ کیونکہ سلطان احمد میرزا خجند و مرغینان لیتا ہوا اندجان سے چار کوس پر آ پہنچا تھا۔

طوفان جب آنے کو ہوتا ہی تو اُس کے آثار پہلے ہی سے محسوس ہونے لگتے ہیں سلطان احمد میرزا کا طوفان جب شہر کے قریب پہنچا تو مفرکہ طلب طبیعتیں فاسد ہو چلیں لیکن بابر نے فوراً ایک مفسد کی گردن اُڑوا دی اور مادۂ فساد وہیں افسردہ ہو کر رہ گیا۔ خواجہ مولنا اور دوا ور امیر سلطان احمد میرزا کی خدمت میں بھیجے کی طرف سے بہ سعادتمندانہ پیام لیکر گئے کہ سمرقند سے شہر کو چھوڑ کر حضور کا خود یہاں رہنا تو معلوم فتح کے بعد یہ ملک ضرور کسی ملازم کے سپرد ہو گا میں خادم بھی ہوں اور فرزند بھی ہوں اگر یہ خدمت میرے ہی سپرد ہو جائے تو بہت سی دردسری کم ہو جائے گی۔ سلطان احمد میرزا نہایت نیک نفس آدمی تھا اس پیام کا اثر اس کے دل پر بہت ہوا لیکن (جیسے اکثر نیک حاکم ہوتے ہیں) اُس کے مزاج پر امرا بہت حاوی تھے وہ اپنا نفع کیوں چھوڑتے سخت و درشت جواب دیکر الچی واپس کر دئے اور سلطان احمد میرزا کو اور آگے بڑھا لائے مسبب الاسباب کی شان دیکھو چند اتفاقی سبب ایسے ہو گئے کہ سلطان احمد میرزا کو ناکام پھرنا پڑا۔ ادھر آتے ہوئے اس کا لشکر ایک پل کو عبور کر رہا تھا کہ پل ٹوٹا اور بہت سی جانیں تلف ہو گئیں اتفاقاً چار برس ادھر بھی ایک ایسا ہی واقعہ گزرا تھا اور اس کے بعد ان کو میدان جنگ میں ناکامی ہوئی تھی اب جو پل پھر ٹوٹا ان کو اگلی شکست یاد

آئی اور بدشگونی کے خیال نے (جو ایشیا میں بہت موثر چیز ہے) سب کے دل ہلا دئے گھوڑوں میں وبا اس کثرت سے پھیلی کہ طویلے خالی ہو گئے اور سب سے زیادہ اہم یہ بات تھی کہ بابر کے نوکر اور رعایا ایسے مقابلہ کرنے والے تھے کہ مخالفین کو اپنی فتح بھی یقینی نہیں معلوم ہوتی تھی ان وجوہ سے سلطان احمد میرزا کو مناسب معلوم ہوا کہ اس وقت ناپائدار سی صلح کر کے چلا جائے اُس طرف سے درویش محمد ترخان آیا اور اس طرف سے حسن بھیجا گیا اور دونوں نے ایک عہد کیا جس کی تہ میں گویا شکست لگی ہوئی تھی عہد کے بعد سلطان احمد میرزا سمرقند کو پلٹ گیا۔ اس جنوبی غنیم سے اطمینان ہوا ہی تھا کہ شمال کی طرف سے سلطان محمود خان نے حملے کئے لیکن کچھ مفید نہیں ثابت ہوئے خدا کی شان سلطان محمود خان بیمار پڑ گیا لڑتے لڑتے بھی تنگ آگیا تھا اور شاید تیموری بچوں سے لڑتے ہوئے بھی شرم آئی ہوگی وہ بھی جدھر سے آیا تھا اودھر چلا گیا اس کے بعد ابا بکر جا لم کاشغر نے حملہ کیا لیکن فوج بابر سے معرکہ پڑتے ہی اس کو معلوم ہو گیا کہ وہ اُن کے میدان کا حریف نہیں ہے۔ بصد دشواری جان بچا کر بھاگ گیا۔

ان بلاؤں سے نجات پاکر باپ کی عزاداری بابر نے کی اندجان سے جہانگیر میرزا حرم کی بیگمات اور امرا آئے فقرا و مساکین کو کھانا کھلایا گیا تعزیت سے فارغ ہو کر ملک کا انتظام اس طرح کیا کہ اندجان اور محل شاہی کا مہتمم حسن یعقوب مقرر ہوا۔ اوش پر قاسم بیگ حاکم کیا گیا۔ اخشی پر اوزون حسن اور

مرغینان پر علی دوست طغائی منصوب ہوئے۔

سلطان احمد مرزا لپٹے ہوئے اُرا تپہ میں داندجان کے قریب میں ایک مقام ہے پہنچا تھا کہ اجل نے آلیا اور چھ روز بخار میں مبتلا رہ کر یہ نیک دل بادشاہ جس نے اپنی رعایا کو نہایت آرام دیا تھا ۴۴ برس کی عمر میں رحلت کر گیا اُس کا کوئی وارث نرینہ نہ تھا امرا نے اس کے بھائی سلطان محمود میرزا والی بدخشاں کے پاس ایلچی بھیجا وہ یہ مژدہ جانفزا سن کر سمرقند کو چلا آیا یہاں آیا تو تمام ملک قبضہ میں تھا سمرقند پر حاکم ہونے کے بعد اس کی سرحد بابر کے ملک سے مل گئی اور اس کو بھی بابر کا ملک چھین لینے کا شوق پیدا ہوا لیکن اپنی کامیابی کے واسطے دوسرا ہی پہلو اختیار کیا سلطان محمود خاں اور سلطان احمد میرزا امرائے بابری کے اتفاق اور مردانگی کے سبب ناکام رہے تھے اس لئے اُس نے خود امرا سے خفیہ سازش شروع کی۔ اسی زمانہ میں اس نے اپنے بیٹے مسعود میرزا کی شادی بہت دھوم دھام سے کی تھی بابر کے پاس بھی ایک ایلچی کو سونے چاندی کے پستہ و بادام دیکر بھیجا۔ بادام اور پستوں کا تو بہانہ تھا حقیقت میں قاصد حسن یعقوب کا رشتہ دار تھا اور اس دام سازش کا جو اس کے آقا نے بچھایا تھا ایک پھندا اپنے عزیز کے گلے میں ڈالنے آیا تھا۔ عیار سفیر نے حسن یعقوب کو پھانس لیا اور وعدے لے کر اپنے بادشاہ کے دربار کو پلٹ گیا پانچ چھ مہینے کے بعد حسن یعقوب کے تیور بدلنے لگے اور اُس نے یہ منصوبہ گانٹھا کہ بابر کو معزول کر کے جہانگیر میرزا کو بادشاہ بنائے

امرائے خیرخواہ اس چال کو پا گئے اور جاکر بابر کی نانی سے یہ ماجرا بیان کیا۔ بابر
نے بیان کیا ہے کہ "میری نانی کے مثل رائے اور تدبیریں بہت کم عورتیں ہوں گی۔
نہایت عاقل اور مدبر تھی اور اکثر معاملات اس کے مشورہ سے ہوتے تھے" وہاں
یہ بات قرار پائی کہ حسن یعقوب معزول کر دیا جائے وہ ایک علیحدہ ارک میں ہاکرتا
تھا بابر اُس کو معزول کرنے گھوڑے پر سوار ہوکر چلا حسن یعقوب اتفاقاً شکار کو
گیا تھا جاسوسوں نے شکارگاہ میں اس کو یہ خبر پہنچائی اور وہ سیدھا سمرقند کو
چلا گیا اس کے جانے کے بعد اور امرا کی تحقیقات کی گئی اور جو مشتبہ نکلے وہ
گرفتار ہوئے حسن یعقوب سمرقند جاتے ہوئے اخسی پر ٹوٹ پڑا اور وہیں اس کو ایک
تیرانداز نے نمک حرامی کا مزا چکھا کر دوسرے جہان میں پہنچا دیا سلطان محمود
میرزا اپنے دام سازش میں اوروں کو پھانس رہا تھا کہ ربیع الآخر سنہ ۹ھ کو خود
اجل کا شکار ہو گیا۔ سلطان محمود میرزا نہایت ظالم اور فاسق تھا اور اہل سمرقند
اُس سے نہایت تنگ آ گئے تھے خسرو شاہ نے (جو اُس کا معرکہ طلب مقتدر امیر تھا)
مصلحتاً اس کی وفات کو چھپایا مگر اتنا بڑا واقعہ کس پردہ میں چھپ سکتا ہے فوراً تمام
شہر میں شہرت ہو گئی اور شہرت کے ساتھ گھر گھر خوشی کے شادیانے بجنے لگے
اور اہل شہر متفق ہوکر خسرو شاہ پر چڑھ دوڑے اور وہ اپنی جان لیکر شہر سے بھاگ
گیا۔ سلطان محمود میرزا کے قابل ذکر چار بیٹے تھے:
سلطان مسعود میرزا[۱]۔ سلطان بایسنغر میرزا[۲]۔ سلطان علی میرزا[۳] اور خان میرزا[۴]

اس نے اپنی حیات میں مسعود میرزا کو حصار اور بایسنغر میرزا کو بخارا دیکر اُدھر بھیجدیا تھا اس حادثہ کے بعد امرائے بایسنغر میرزا کو بخارا سے بلا کر باپ کی جگہ بٹھا دیا۔ سُلطان محمود میرزا کی سُنائی سنکر سلطان محمود خاں نے (جوان شاہزادوں کا بھی ماموں تھا) بعض کوربمک امرا کی تحریک سے سمرقند پر حملہ کیا۔ بایسنغر میرزا مقابلہ پر آیا۔ لڑائی کے بعد سلطان محمود خاں کو شکست ہوئی اور کثرت سے اس کے مغل کام آئے اس فتح سے اہل سمرقند کے حوصلے بڑھے اور زور آزمائی کو بابر کے ملک پر چڑھ آئے ؎

هر بلائے کز آسمان آید گرچه بر دیگرے قضا باشد
بر زمین نارسیده می پرسد خانهٔ انوری کجا باشد

اسفرہ پر قبضہ کرکے بایسنغر میرزا کا خطبہ پڑھ دیا۔ بابر یہ حال سنکر اُن کے مقابلہ کو بڑھا اور چالیس دن کے محاصرہ کے بعد تنگ آکر دشمن نے قلعہ چھوڑ دیا۔ خجند بابر کے باپ کے قبضہ میں تو تھا مگر پچھلی ہل چل میں ہاتھ سے نکل گیا تھا بابر نے اسفرہ سے بڑھ کر اس پر بھی قبضہ کر لیا یہاں آکر معلوم ہوا کہ سلطان محمود خاں قریب شاہرخیہ میں ٹھہرا ہوا ہی عمر شیخ میرزا کے وفات کے بعد یہ حضرت بھی اس کے ملک پر قوت آزما ہو چکے تھے بابر نے سوچا کہ آخر ماموں ہے اور اس قدر قریب ہی چلکر ملآؤں گزشتہ کدورتیں بھی محو ہو جاویں گی دیکھنے سُننے والے بھی تحسین کریں گے یہ سوچ کر شاہرخیہ جا پہنچا اس کا ماموں اپنے باغ کے چار درہ میں بیٹھا تھا چار درہ میں قدم رکھتے

ہی بابر نے اپنے زانو پر تین دفعہ ہاتھ مارے (یہ اس زمانہ کا آداب ہی) وہ بھی تعظیم کے واسطے اٹھ کھڑا ہوا اور گلے سے لگا لیا۔ بابر نے پھر زانو پر ہاتھ مارے اور ماموں نے بلا کر پاس بٹھا لیا اور نہایت شفقت ظاہر کی۔ بابر دو چار روز وہاں رہ کر اپنی تخت گاہ اندجان کو واپس آیا بابر نے یہ بڑی دور اندیشی کی کہ ماموں سے صفائی کرآیا آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ اکثر اڑے وقتوں میں اپنے ماموں سے وہ مدد لایا اور ماموں کا گھر ہمیشہ اس کی پناہ کے لئے کھلا رہا اگر اتنا قریب پہنچکر بابر سلطان محمود خاں سے نہ ملتا تو اس کے دل میں کاوش پڑ جاتی اور پھر کسی مشکل میں بابر کا منہ نہ پڑتا کہ اس سے کمک چاہتا۔

فتح سمرقند

سلطان محمود میرزا کے بیٹے معرکہ طلب امرا کے ہاتھوں میں کٹھ پتلیاں بنے ہوئے تھے اور ہر ایک کھلاڑی اپنی کٹھ پتلی کا جلوہ دکھا کر ملک اور اہل ملک کو اپنی ہی جھولی میں ڈالنا چاہتا تھا بایسنغر میرزا سمرقند کے امیروں کے بس میں تھا۔ سلطان علی میرزا امرائے بخارا کے قبضہ میں تھا اور سلطان مسعود میرزا پر حصار میں خسرو شاہ محیط ہو رہا تھا اس آشوب کے زمانہ میں اکثر فوج کے آدمی اُن سے جدا ہو کر بابر کے پاس چلے آئے بابر نے جو یہ حالات سنے ہمت نے دل میں چٹکی لی اسفرہ پر سمرقندیوں سے بدمزگی ہو ہی چکی تھی شوال ۹۰۱ھ کو سمرقند پر یورش کر دی۔ جب شہر کو پانچ

برس کی عمر میں دیکھ آیا تھا آج سولہ برس کی عمر میں ہمارا نوجوان ہیرو اس کو فتح
کرنے چلا اس سفر کو آئندہ مصائب کا دیباچہ سمجھنا چاہیے مشرق سے تو بابر نے
حملہ کیا اور مغرب (بخارا) سے سلطان علی میرزا و جنوب (حصار) کو سلطان
مسعود میرزا سمرقند لینے کو بڑھے اور تینوں لشکروں نے سمرقند کو آ کر گھیر لیا تین
چار مہینے محاصرہ میں ہی گزر گئے اس عرصہ میں سلطان علی میرزا نے اپنے ایک امیر کو
اتفاق اور یکجہتی کا پیام دیکر بابر کے پاس بھیجا بابر بھی رضامند ہو گیا اور یکجہتی
کا معاہدہ کر لیا اب سردی کثرت سے پڑنے لگی سرد ملکوں میں یہ برف بھی
عجیب مصلح ہے کیسی ہی خونخوار لشکر مقابلہ پر پڑے ہوں جہاں ٹھ آیا اور دونوں
نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی ایک تو برف کی مصیبت دوسرے گھاس اور غلہ
بالکل نہیں مل سکتا آخر انسان کیا کرے نپولین اعظم کو ماسکو میں جو گوشمالی اس
زمستان نے دی تھی ایک زمانہ اُس سے واقف ہی غرض جاڑے کے آتے ہی
تینوں لشکر اپنے اپنے مرکز کو چلے گئے سلطان مسعود میرزا سمرقند کے ایک امیر
کی خورد سال لڑکی پر فریفتہ تھا چلتے وقت نکاح کر کے اپنی آرام جان کو لے گیا
اور اس خوشی کے صلہ میں سمرقند سے ہمیشہ کو گویا دست بردار ہو گیا بلکہ بابر کی
شہادت کے بموجب اس محاصرہ کا اہم مقصود وصال جاناں ہی تھا سنہ ۹۰۲ھ کی
فصل بہار میں بابر نے پھر سمرقند پر فوج کشی کی پچھلے برس بابر اور سلطان علی میرزا
سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اگلے موسم میں دونوں متفق ہو کر حملہ کریں گے بابر نے

سمرقند میں آکر سنا کہ سلطان علی میرزا پہلے سے موجود ہے اور بایسنغر میرزا اس کے
مقابلہ میں شہر سے باہر پڑا ہے۔ بابر کی آمد آمد سنکر بایسنغر میرزا قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہا۔
سمرقند کے نزدیک ایک قلعہ تھا اوّل بابر نے اس کو فتح کیا اور عید الفطر کی نماز
وہاں پڑھ کر آگے بڑھا۔ بایسنغر میرزا کے چند امیر مع تین ۳۰۰ سو آدمیوں کے بابر سے
راہ میں آکر مل گئے اور یہ ظاہر کیا کہ حضور ہی کی قدمبوسی کی آرزو کھینچ لائی ہے۔
تحقیق سے معلوم ہوا کہ مذکورۂ بالا قلعہ کے بچانے کا بیڑا اٹھا کر بایسنغر میرزا کے
دربار سے نکلے تھے یہاں جو عالم دگرگوں دیکھا بابر کے ہوا خواہ بن گئے بابر اس
دفعہ بھی محاصرہ کئے پڑا رہا اور قلعہ والوں سے لڑا کیا لڑائی میں اس کی فوج کا
قدم آگے ہی تھا یہاں تک کہ فصیل تک ترکتاز ہونے لگی ایام محاصرہ میں سمرقند
کے تجارت پیشہ بابر کے لشکر میں کثرت سے مال فروخت کرنے آیا کرتے تھے ایک
روز عصر کے وقت لشکر والوں نے فساد کرکے ان کو لوٹ لیا۔ بابر نے یہ سنکر حکم
دیا کہ ان کا تمام مال بجنسہ واپس کر دیا جائے صبح کو ایک پہر دن نہیں چڑھا تھا کہ
سوداگر اپنے مال سے پھر مالامال ہو گئے اور ان کی حبہ بھر چیز کسی کے پاس نہیں
رہی اس کے لشکر کے ضبط و ترتیب کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے اہل قلعہ
بہت تنگ آچکے تھے اور بابر کا پلہ بھاری ہو چلا تھا اور امید ہوتی تھی کہ دو ایک
روز میں سمرقند فتح ہو جائے گا کہ آفتاب برج میزان میں آپہنچا اور سردی کی گرم
بازاری شروع ہو گئی اور سلطان علی میرزا بخارا کو پلٹ گیا۔ بابر نے مجلس کنگاش

منعقد کی اور کونسل میں یہ رائے قرار پائی کہ شہر عنقریب فتح ہونے کو ہے اپنے ملک
کو واپس جانا مناسب نہیں یہیں کسی جگہ قشلاق (سرما گزاری) کرنی چاہیئے۔
خواجہ دیدار کا قلعہ متصل تھا وہاں بابر اپنی فوج ہٹا لایا اور چند روز مکانوں کی
تیاری کے انتظار میں باہر پڑا رہا۔

بایسنغر میرزا نے شیبانی[1] خان کو ترکستان سے بڑی منت کر کے بلایا تھا۔
جس روز بابر میدان سے اٹھ کر قلعہ میں پہنچا اسی روز خبر آئی کہ شیبانی خاں
آرہا ہے بابر کے لشکر کے اکثر آدمی قشلاق کے بندوبست میں منتشر ہو گئے تھے
یہ خبر سنکر جو سپاہی موجود تھے انہی کو لے کر میدان میں آجا شیبانی خاں کے
قدم مقابلہ پر نہ جم سکے اور سیدھا سمرقند کو چلا گیا وہاں پہنچکر شیبانی خاں اور
بایسنغر میرزا میں بے لطفی ہو گئی اور شیبانی خاں اپنے وطن کو واپس چلا گیا۔
بایسنغر میرزا جب ادھر سے بھی مایوس ہوا تو اپنے دو تین سوختہ حال سپاہی لے کر

---

[1] شیبانی خاں اپنے زمانہ کا نامآور اور جرار سپاہی ہے ۸۵۵ھ میں ترکستان میں پیدا ہوا اس کے باپ
دادا اگرچہ امیر تھے لیکن شیبانی خاں کے ہوشیار ہونے سے پہلے ان کی امارت کا دورہ ختم ہو گیا تھا شیبانی
خاں کو بیکسی میں مکروہات زمانہ کا مقابلہ کرنا پڑا عبدالعلی ترخان سلطان احمد میرزا بادشاہ سمرقند کا ایک امیر تھا۔
اس کی توجہ اور تربیت سے شیبانی خاں کی حالت درست ہو گئی کچھ لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے
اور قزاقی شروع کر دی نسل تیمور کے باہمی اختلاف میں شیبانی خاں عروج پکڑ گیا ایک بھائی کا
ملک لوٹ لیتا تھا اور دوسرے مخالف بھائی کے پناہ میں جا بیٹھتا تھا۔ آخر تمام ترکستان اور خراسان
کا بادشاہ ہو گیا بخارا اور سمرقند کے ازبک روسیوں کے سوا اور کسی سے زیر نہیں ہوئے شاہان
ایران کو ہمیشہ تنگ کرتے رہے ۱۲

خسرو شاہ کے پاس قندز چلا گیا خواجہ دیدار کے قلعہ میں قاصد فرزدہ لیکر پہنچا اور یہ
نوید سنتے ہی بابر سمرقند چلا آیا راستہ میں اکابر و امرا ہر جگہ استقبال کو موجود تھے
سمرقند آکر بابر تخت تیمور پر متمکن ہوا اور امرائے[1] سمرقند پر شاہان گزشتہ کی مانند
اس نے توجہ کی اپنے امرا کو بھی علیٰ قدر مراتبہم انعام سے شاد کام کیا۔ شہر سمرقند اور
اس کے نواح کا ملک مسلسل حملوں نے بالکل تباہ کر رکھا تھا اور وہاں کے باشندے
خورد و نوش کے محتاج تھے بابر نے بہت سخت فرمان جاری کئے کہ رعایا تاخت و تاراج
نہ کی جائے مغل تو لوٹ کی چاٹ پر ساتھ آئے تھے یہ حکم سن کر بیدل ہو گئے
رسد جو فوج کے ہمراہ تھی وہ بھی ختم ہونے لگی باہر سے رسد نہ آسکی اس لئے لشکر
میں ایک ابتری پڑ گئی اور مغل سب کے سب چلدیئے اوزون حسن اور احمد تنبل
دو امیر بھی نمک حرامی کر کے نکل بھاگے اور باہر نکل کر یہ ستم ڈھایا کہ جہانگیر
میرزا کو قبضہ میں کر کے بغاوت پر کمر بستہ ہو گئے اخسی و اندجان پہنچکر بابر کے
پاس یہ پیغام بھیجا کہ سمرقند آپ کے قبضہ میں آگیا یہ ملک جہانگیر میرزا کو عنایت
کر دیجئے۔ مغل جو چھپکر بھاگے تھے اور بابر سے بہت ہراساں ہو رہے تھے علانیہ
اخسی میں ان سے جا ملے اور اسی طرح باغیوں کے گرد ایک فوج فراہم ہو گئی۔
اس سرکشی سے بابر بہت برہم ہوا لیکن کیا کرتا اچھے برے سب ایک ہزار آدمی
اس کے پاس رہ گئے تھے ان آدمیوں کو لے کر دشمن پر چڑھائی کرتا یا سمرقند کی

---

[1] غالباً یہی مراعات تھی جس نے بابر کو دوبارہ بلانے پر امرا کو آمادہ کیا ۱۲

حفاظت تولوں خواجہ اپنے ایک معتمد مغل کو اس نے فراری مغلوں کے پاس بھیجا کہ دلاسا دے کر ان کو واپس لے آئے اوزون حسن اور تنبل کے اشارے سے مغلوں نے اس کو وہیں مار رکھا اندجان سے سمرقند کو جاتے ہوئے بابر علی دوست کو حاکم کر آیا تھا اس کے بعد خواجہ مولنا بھی وہاں پہنچ گئے باغیوں نے اندجان کو جا گھیرا۔ ایام محاصرہ میں خواجہ مولنا نے اپنے اٹھارہ ہزار روپئے شاہی ملازموں اور ان کے اہل و عیال کو کھلا دئیے اسی زمانہ میں بدقسمتی سے بابر سمرقند میں سخت علیل ہوا اور مرض کی شدت مایوسی کے آثار دکھانے لگی چار روز تک زبان بالکل بند رہی روئی سے منہ میں پانی ٹپکایا جاتا تھا جو لوگ بابر کے پاس رہ گئے تھے مایوسی نے ان میں بھی نفسی نفسی مچا دی یہاں بابر بستر رنجوری پر پڑا تھا اور وہاں باغیوں نے اہل اندجان کو (جن میں بیگمات شاہی بھی تھیں) ایسا تنگ پکڑا کہ ان کی جان پر بن آئی بادشاہ کی ماں نانی اور استاد خواجہ مولنا نے متواتر ایلچی سمرقند بھیجے اور کہلا بھیجا کہ اندجان کی بدولت سمرقند فتح ہوا ہے اگر اندجان سلامت ہے تو سمرقند پھر فتح ہو جائے گا اور اگر اندجان ہاتھ سے نکل گیا تو پھر سمرقند بھی سنبھالے نہ سنبھلے گا جس قدر جلد ممکن ہو یہاں پہنچو بیچارے ایلچی بابر کی حالت زار دیکھ کر دم بخود رہ جاتے تھے پیام کس کو سناتے اور تعمیل کون کرتا اسی ہنگامہ میں اتفاقاً باغی سردار کا ایلچی سمرقند گیا ہوا تھا شاہی نوکروں نے بادشاہ کی حالت کو نا اندیشی سے اس کو دکھا دی اس نے جا کر کہہ دیا کہ بادشاہ تو نزع میں پڑا ہے کوئی دم کا مہمان سمجھو۔ علی دوست سے بھی حلفاً اس

نے بھی بیان کیا وہ شہر کی حفاظت کرتے کرتے تنگ آگیا تھا معاہدہ کرکے شہر کے دروازے
کھول دئے شہر میں ابھی رسد بہت تھی اور کچھ روز بامردی دکھا سکتے تھے علی دوست
کی نامردی نے یہ روز بد دکھایا اسی اثنا میں بابر کو افاقہ ہوا اور اندجان کے نا کیدی
خط پڑھ کر گھبرا اٹھا او ضعف ہی کی حالت میں سمرقند سے چل کھڑا ہوا بابر سمرقند سے نکلا
ہی تھا کہ سلطان علی میرزا نے آکر قبضہ کر لیا جس روز علی دوست نے اندجان باغیوں
کو حوالہ کیا اسی روز بابر سمرقند چھوڑ کر اندجان بچانے جاتا ہے۔

بابر کی پریشانی

خجند میں جب پہنچا تو یہ کیفیت سُنی کہ باغیوں نے خواجہ مولنا کو قلعہ کے دروازہ
پر پھانسی دیکر شہید کر ڈالا اور تمام مال و اسباب اُن کا لوٹ لے گئے بابر کی وہی
مثل ہوئی "ازیں سوراندہ وازاں سوماندہ" حیران تھا کہ اب کیا کرے۔ پریشان
ہو کر کئی مرتبہ اپنے ماموں کے پاس تاشقند گیا اس نے مدد دی لیکن بے سُود کبھی
کمک آدھے راستہ سے پھر گئی کبھی منزل مقصود پر پہنچی ہاتھ پاؤں مارے اور مہم کو
ادھورا چھوڑ کر لوٹ گئی۔ پیچ یہ آن پڑا تھا کہ مخالفین نے جہانگیر کی ظاہری پناہ
لی تھی۔ جیسا کہ بابر ویسا جہانگیر۔ جب بابر اصرار کرتا مدد کو آموجود ہوتے تھے۔
جب دوسری طرف سے جہانگیر کا اثر پڑتا چلتے پھرتے نظر آتے۔ سیدھے سادھے
مغلوں میں اتنی سمجھ نہ تھی کہ باغیوں کی عیاری کو پا جاتے بابر کے اکثر نوکروں

کے اہل و عیال اندجان میں پھنسے ہوئے تھے بادشاہ کو ان مصیبتوں میں گرفتار دیکھ کر اُن کے بھی جی چھوٹ گئے اور اس کی رفاقت چھوڑنے لگے چند ہی روز میں ہمراہیوں کی تعداد گھٹکر دو تین سو رہ گئی یہ وقت بابر پر نہایت نازک تھا۔ نہ اس حیثیت سے کہ یہ اس کی سب سے بڑی تباہی تھی بلکہ اس وجہ سے کہ تجربہ نے ابھی اس کا دل مضبوط نہیں کیا تھا اور اُستاد زمانہ نے مصائب سے سینہ سپر ہونے کے گر ابھی اس کو نہیں سکھائے تھے اپنی قلیل جماعت کو لئے کبھی اندجان جاتا اور کبھی سمرقند۔ یہی سرزمین اس کی جولانگاہ بن رہی تھی ہمت ایک جگہ آرام سے بیٹھنے نہیں دیتی تھی اور اس چھوٹی سی جماعت سے خونخوار لشکروں کا مقابلہ ممکن نہ تھا۔ سنہ ۹۰۴ھ میں ایک روز اسی بادیہ پیمائی میں ابو المعالی اُس زمانہ کا ایک دیرینہ سال دانشمند سردار ملا بابر نے اپنی کیفیت بیان کی اور کہا کہ اب کیا کروں اس بیکسی اور بابر کے سن و سال پر نظر کرکے ابوالمعالی کا دل بھر آیا اور آنسو ڈبڈبا آئے بصلاح درکنار فرط بیتابی نے وہاں بیٹھنا دشوار کر دیا[۵]

چرخِ نالۂ دردِ دلِ خود چنداں گرد
کہ دلِ یار بدرد آمد و اغیار گریست

یہ دیکھ کر بابر بھی اپنی مصیبت پر خوب رو دیا۔

ترقی

اس مدد غیبی کو دیکھو کہ اسی روز علی دوست کا پیامبر مرغینان سے آتا ہے اور
اپنے آقا کی طرف سے گزارش کرتا ہے کہ مجھ سے بڑا قصور سرزد ہوا افسوس! اس
کی تلافی کچھ نہیں کرسکتا مرغینان البتہ میرے قبضہ میں ہے اگر قدم رنجہ فرمائیے تو
پیش کرکے بار ندامت سے کچھ ہلکا ہو جاؤں مغرب کے وقت یہ مژدہ پہنچا۔ مرغینان
یہاں سے چھتیس کوس تھا۔ اسی وقت بابر نے گھوڑے کی باگ اُٹھا دی اور تیسرے
روز مغرب کے وقت مرغینان میں کھڑا تھا۔ علی دوست نے جان بخشی کا عہد لیکر
قلعہ سپرد کر دیا اور سننے کے قابل یہ بات ہے کہ علی دوست پر قابو پاکر بادشاہ نے
یہ بھی نہیں پوچھا کہ اندجان میں تو نے کیا کیا تھا۔ پاؤں جمانے کے واسطے بابر کو
ذرا سی جگہ درکار تھی مرغینان پر قبضہ کرکے چند ہی روز میں اخشی اور اندجان
دونوں فتح کر لئے رعایا اوزون حسن اور تنبل کی تباہ کاریوں سے بہت برہم تھی۔
بابر کے آتے ہی دونوں کے قدم اکھڑ گئے اوزون حسن اخشی میں مع اہل و عیال کے
گرفتار ہو گیا لیکن بابر کے نہ تھکنے والے عفو نے اس کو بحفاظت قلعہ سے نکال کر حصار
کی طرف رخصت کر دیا۔ تنبل جہانگیر کو لے کر اوش بھاگا اور بابر اس کو شکست پر شکست
دیتا ہوا بربادی کے کنارے پر لے آیا تھا کہ بعض نمک حرام امراء اس سے مل گئے۔
بدقسمتی سے بابر کے دربار میں اس وقت بھی امراء بہت مقتدر تھے۔ اپنی طور پر انھوں

نے ایک عہدنامہ لکھ کر فرغانہ کے دو حصے کر ڈالے۔ شرقی حصہ اوش وغیرہ جہانگیر کو دیدیا اور غربی اندجان وغیرہ بابر کے واسطے رکھ لیا بابر اس تقسیم کو کب پسند کرتا۔

"دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند"

لیکن ان نفاق پیشہ امرائے نے اپنے اقتدار کا دباؤ ڈال کر اس کو ماننے پر مجبور کیا اور وہ مصلحتہً زہر کا سا گھونٹ پی کر رہ گیا۔

بابر کی پہلی شادی

سلطان احمد میرزا کی بیٹی عائشہ سلطان بیگم خجند میں آئی ہوئی تھی اُس سے شعبان ۹۰۵ھ میں ۱۰ برس کی عمر میں بابر نے پہلی شادی کی معلوم ہوتا ہے کہ ان بیگم کی افتاد مزاج نے باہم سازگاری وارتباط کی بنا ابتدا ہی سے نہیں پڑنے دی۔ ایک لڑکی ان بیگم کے بطن سے ہوئی، جس کا نام فخر النسا تھا۔ مگر آخر مفارقت ہوگئی

سمرقند دوبارہ فتح کرتا ہے

سمرقند میں پھر فتور ہو گیا۔ سلطان علی میرزا اب جوان ہو گیا تھا، اور اپنے امرا کے ہاتھوں سے نکلنے لگا۔ اوّل تو انھوں نے جبراً مطیع کرنا چاہا، لیکن وہ بھی ترک بچہ تھا سہل کب قابو میں آتا، اس نے خود امرا کا زور توڑنا شروع کیا۔ انھوں نے بابر کو سمرقند پر حملہ کی ترغیب دی، یہ خود سمرقند کی تمنا میں بیٹھا تھا، خبر پاتے

ہی روانہ ہوگیا اور ڈاک چوکی میں جہانگیر کے پاس پیام بھیجا کہ آ و مل کر سمرقند فتح کریں فتح کے بعد سمرقند ہمارا فرغانہ تمہارا بابر سمرقند کو روانہ تو ہوا مگر جس سرزمین سے اس کے قدم اٹھتے تھے بغاوت اپنا قدم جما لیتی تھی۔ بابر نے اس طرف کچھ توجہ نہیں کی۔ اوّل تو وہ یہ جانتا تھا کہ یہ سب تنبل کے بل پر کودتے ہیں جب تک وہ سلامت ہے بغاوت ہر وقت موجود ہے، دوسرے سخت بلا یہ تھی کہ اُس کے بڑے بڑے امراء مار آستیں بنے ہوئے تھے، نہ تو ان سرداروں کے نفاق کے سبب تنبل کی سرکوبی کرسکتا تھا اور نہ تنبل کے اتصال کے سبب ممکن تھا کہ ان امراء کا استیصال کر ڈالے۔ سمرقند کو جاتے ہوئے اس نے یہ عزم کرلیا کہ اس مہم کے بہانہ ان امراء کو تنبل سے دور لیجا کر سمجھ لینا چاہیے سمرقند فتح کرکے تنبل کو بھی دیکھ لوں گا اور اگر یہیں بے فکر بیٹھا رہا تو یہ غضب کی دو قوتیں ایک روز قیامت برپا کریں گی راستے میں اکثر امیر اور بابر کے فدائی جن کو سرکش امیروں نے علیحدہ کردیا تھا بابر سے آملے اور بابر ان کو بلند کرکے مخالفوں کو پست کرتا گیا وہ اس رمز کو سمجھے مگر کب جب تنبل سے دور جا پڑے تھے اور تو کچھ نہ بن پڑا بابر سے رخصت چاہی اس نے بھی "بجان منت" کہہ کے رخصت کردیا وہ جاتے ہی تنبل سے مل گئے، ان امراء کے چلے جانے سے اگرچہ بابر کے لشکر کی تعداد گھٹ گئی مگر ایک ناسور جو اس کو اندر ہی اندر تحلیل کر رہا تھا نکل گیا۔ بابر جب تک سمرقند آئے آئے سلطان علی میرزا اپنے امراء کا قرار واقعی تدارک کرچکا تھا، وہ خود سمرقند کے قریب آکر بابر سے

مل گئے، لیکن اتنی قوت اُن میں نہ تھی کہ لیجا کر تخت پر بٹھا دیتے۔ بابر سمرقند کا محاصرہ کئے ہوئے تھا کہ خبر آئی کہ شیبانی خاں بھی اسی شہر کے ارادے سے آتا ہے، ازبکوں کے مقابلہ کی تاب کس میں تھی۔ بابر ہٹ کر ایک اور قلعہ میں چلا گیا۔ شیبانی خاں نے محاصرہ کر کے سلطان علی میرزا کو یہ لالچ دیا کہ اگر شہر خالی کردو تو تمہارے باپ کا اصلی ملک تم کو دیدوں گا۔ یہ خام کار شہزادہ نقد کو نسیہ کے عوض دینے پر آمادہ ہو گیا اور ایک روز چپکے سے شہر سے نکل کر شیبانی خان کے پاس چلا آیا وہاں پہنچتے ہی معلوم ہو گیا کہ اجل اس کو ڈھکیل کر وہاں لائی تھی اذا جاء القضاء عمی البصر جلادوں نے سلطان علی کی گردن اڑائی اور تخت سمرقند پر شیبانی خاں نے جلوس کیا بابر کو وہ قلعہ بھی چھوڑ کر بے سروسامانی سے حصار کی طرف جانا پڑا۔ حصار پر خسرو شاہ حاکم تھا۔ اپنے ولی نعمت کے لخت جگروں کو برباد کر کے مالک بن بیٹھا تھا۔ مسعود میرزا کو اندھا اور بایسنغر میرزا کو قتل کر کے اُس بدبخت نے اپنا راستہ صاف کر لیا۔

بابر پھر مصیبت کے گرداب میں پھنس گیا۔ موروثی ملک سمرقند کی خاطر باغیوں کو دے آیا، سمرقند کا شکار ایک اور زبردست عقاب لے اڑا۔ خسرو شاہ اپنی بدکاریوں پر پردہ ڈالنے کو سخی بن گیا تھا اور جو بگڑا ہوا شہزادہ یا امیر اُس کے یہاں جاتا سیر چشمی سے اُس کی مدارات کیجاتی۔ یہی خیال بابر کو حصار لے گیا۔ حصار پہنچکر دو دو خسرو شاہ کے ملک میں گھومتا رہا اُس نے جھوٹوں بھی پوچھا کہ کون ہے

آنچہ رحم از دل برد تاثیر فریاد نیست
وانچہ نسیاں آورد خاصیت یاد نیست

اُدھر سے مایوس ہو کر پھر سمرقند پر طالع آزمائی کو پھرا۔ قریب آ کر سُنا کہ شیبانی خاں
اپنے ایک افسر کو پانچ چھ سو آدمیوں سے سمرقند میں چھوڑ گیا ہے اور خود تین چار
ہزار آدمی سے خواجہ دیدار میں ہے۔ بابر کے پاس صرف دو سو چالیس آدمی تھے
ہمت نے اس پر بھی تختِ سمرقند کا تقاضا کیا امرائے شوریٰ کو بلا کر یہ مشورہ کیا
کہ ہنوز سمرقندی اوزبکوں سے مانوس نہیں ہوئے ہیں اور خاندانِ تیمور سے
ان کو لگاؤ باقی ہے۔ اگر غفلت میں ہم شہر میں جا پہنچیں تو شہریوں کی مدد سے
دشمن کے سپاہی بآسانی نکل سکتے ہیں۔ بابر نے لکھا ہے کہ انہی روزوں میں
نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار تشریف
لائے ہیں میں استقبال کو بڑھا خواجہ صاحب آ کر بیٹھ گئے اتنے میں ایک شامت کے
مارے خدمتگار نے میلا سا دسترخوان لا کر ان کے سامنے بچھایا اس کی کثافت خواجہ
صاحب کو ناگوار ہوئی۔ خواجہ بابا (ایک دوسرے شخص) نے میری طرف اشارہ
کیا۔ میں نے معذرت کی کہ خدمتگار کی خطا ہے میرا قصور نہیں۔ خواجہ صاحب
اس معذرت سے خوش ہوئے اور چلتے ہوئے میرا ایک بازو پکڑ کے مجھے ایسا اٹھایا
کہ میرا ایک پاؤں زمین سے اٹھ گیا۔ اس کے بعد فتح سمرقند کی بشارت دی۔ نماز
ظہر کے بعد بابر نے سمرقند پر یلغار کی نصف شب کو شہر کے نیچے پہنچا۔ پل مغاک کے

پاس سے ۰۰۰،۲ چیدہ جوان بھیجے کہ غار عاشقاں کے پاس زینہ لگا کر فصیل پر چڑھ جائیں اور دروازۂ فیروزہ پر قبضہ کرکے کہلا بھیجیں۔ جانباز جوانوں نے اس حکم کی خوب تعمیل کی اور دروازہ کھلوایا۔ دروازۂ فیروزہ کا کھلنا فتح و فیروزی کی تمہید تھی۔ بابر شیر کی طرح شہر میں در آیا اور دوبارہ تخت سمرقند پر بیٹھ کر قند مکرر کا لطف اُٹھانے لگا۔ شہر والوں کو گویا منہ مانگی مراد ملی۔ آآکر نذریں پیش کرنے لگے۔ شہر کے بے فکرے ازبکوں پر ٹوٹ پڑے اور چار سے پانسو ازبک دم کے دم میں کاٹکر پھینکدئے۔ شیبانی خاں کا نائب طلوع کے وقت اپنے آقا کی خدمت میں پہنچا۔ یہ ماجرا سنکر ڈیڑھ سو منتخب سپاہی لےکر شیبانی خاں آیا۔ مگر دروازوں کو مضبوط اور دربانوں کو مستعد پاکر پلٹ گیا۔ بابر شیبانی خاں کے حرکات سے اس کے ارادوں کو سمجھ گیا تھا، چاروں طرف ایلچی یہ پیام لیکر بھیجے کہ شیبانی خاں تمام نسل تیمور کا دشمن ہے اور روز بروز اس کا زور بڑھتا جاتا ہے۔ اس وقت موقع ہے کہ ہم جمع ہوکر اس کی قوت کو توڑلیں۔ کمک تو کہیں سے نہ آئی شاید پیام خود غرضی پر محمول ہوا ہوگا، چاروں طرف کی رعایا البتہ بابر کی طرف متوجہ ہوگئی۔ جابجا قلعوں سے ازبکوں کو نکالدیا اور قرب وجوار کے شہر والوں نے بلا بلاکر بابر کے ملازموں کو اپنے شہر سونپ دئیے۔ شیبانی خاں کے پاس فوج تھوڑی تھی یہ اندیشہ کرکے کہ بابر مدت سے خار کھائے بیٹھا ہے ایسا نہ ہو کہ اس کامیابی کے موقع پر بخار نکالنے کو ٹوٹ پڑے بخارا چلا گیا۔ آئندہ فصل بہار

میں اوزبک سردار نے پھر حملہ کیا۔ بابر نے کوشش کرکے کچھ فوج فراہم کرلی تھی اور اس قابل ہوگیا تھا کہ شہر سے باہر نکلکر اوزبکوں سے جا بھڑا۔ اس حملہ میں کسی قدر جلدی بابر کی طرف سے ہوئی اور اُس کی سزا ہیں زک ملی۔ بابر نے اس جلدی پر بہت ہی تاسف کیا ہے اور لکھا ہے کہ "وہ مناسب موقع پہلو اختیار کرنا اسی کا نام تجربہ ہے" شکست کے بعد بابر کو محصور ہونا پڑا اور ایسے محصور ہونے میں رسد نہ پہنچنے کی جو آفت عموماً پڑتی ہے اُس پر بھی پڑی لوگ شہر کے کتّے اور گدھے کھا گئے۔ گھوڑوں کو لکڑی کا بُرادہ بھگو بھگو کر کھلا دیا۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ شہتوت کے پتے گھوڑوں کو بہت موافق تھے۔ اس نفیس رسد سے کب تک بسر ہوتی لوگ گھبرا اُٹھے اور فصیلوں سے کُود کُود کر بھاگنا شروع کیا۔

سمرقند پھر ہاتھ سے نکل گیا

شیبانی خاں نے موقع پاکر صلح کا پیام بھیجا۔ بابر اس پیام سے نفع اٹھاکر آدھی رات کو شہر سے نکل آیا، لیکن اس آشفتگی اور سراسیمگی سے نکلا کہ اُس کی بڑی بہن خانزادہ بیگم دشمن کے قبضے میں پھنس گئی اور بعد کو شیبانی خاں نے اُس سے نکاح کرلیا۔ راستہ میں دو سرداروں سے گھوڑا دوڑایا اُس کا گھوڑا نکل گیا۔ یہ دیکھنے کے واسطے کہ حریف کتنے پیچھے ہیں بابر پھرا اتفاقاً تنگ ٹوٹ گیا تھا پھرتے ہی سر کے بل زمین پر آرہا دماغ پر سخت صدمہ پہنچا اور تمام دن بدحواسی طاری رہی بابر اس قصے

کو لکھ کر کہتا ہے کہ :-

"ایسے واقعے اور حادثے پے در پے پیش آرہے تھے، لیکن بالکل خواب و خیال معلوم ہوتے تھے مردمائب پڑتے تھے اور گزر جاتے تھے" بابر کی قسمت پھر سرگردانی میں گھسیٹ لائی اسی بادیہ گردی میں ایک گانوں میں پہنچا اور مقام عبرت ہی کہ فرغانہ و سمرقند کا بادشاہ ایک مقدم کے گھر میں ٹھہرا۔ مقدم کی عمر ستر اسی برس کی تھی اور اس کی ماں بھی ابھی زندہ تھی۔ بڑی بی ایک صدی سے بھی ۱۱ برس بڑی تھیں اُن کے بیٹے۔ بیٹی۔ پوتے۔ پوتی وغیرہ ۹۶ خاص اُس گانوں میں موجود تھے اور اگر عورتوں کے شوہر اور مردوں کی عورتیں۔ ملائی جائیں تو ۲۰۰ کی نوبت تھی۔ غالباً بڑی بی کی اس برکت نے بیٹے کے مقدم ہونے میں بہت مدد دی ہوگی بڑی بی کے پوتے کے پوتے کی عمر پچیس برس کی تھی فرط وحشت میں گانوں کے قریب پہاڑوں پر بابر ننگے پانوں پھرا کرتا تھا ننگے پانوں پھرتے پھرتے یہ نوبت ہوگئی تھی کہ "سنگ و کوہ تفاوت نمی کرد"۔ ایک روز سنا کہ شیبانی خاں شاہرخیہ پر دھاوا کرنے جاتا ہے چونکہ گانوں کے قریب ہو کر نکلا بابر اس کے تعاقب کو تیار ہو گیا۔ موسم بہت سرد تھا اور برف کثرت سے پڑ رہی تھی۔ اثنائے راہ میں ایک چشمہ ملا کہ کناروں پر تو برف کا سکہ بیٹھا ہوا تھا لیکن پانی نے اپنی تیزی سے اپنے اوپر برف کا نقشہ نہیں جمنے دیا تھا بابر کو گویا تفریح کا سامان مل گیا چشمہ میں کود پڑا اور جب تک ۱۶ غوطے نہیں لگائے باہر نہیں نکلا۔ ان جزوی حکایتوں سے اس نامور بادشاہ کی جبلت و خصلت کا

پتہ لگ سکتا ہے۔ یونان کی تاریخ میں ہیرو کے شیدا کی ایک حکایت بیان کی گئی ہے
دلدادہ اور دلربا کے شہروں کے درمیان آبنائے ڈارڈنیلز (وسطِ یورپ و ایشیائے
کوچک) حائل تھی جانباز شیدا ہر شب اس آبناد کو تیر کر کوئے دلدار کو جایا کرتا تھا
ہیرو اپنے شہر کے ایک منارہ پر بیٹھ کر مشعل دکھایا کرتی تھی تاکہ اُس کا سودائی
اُس کی سیدھ پر چلا آئے۔ ایک رات سنگدل طوفان نے آلیا اور یہ تشنہ جیسگر
ڈوب گیا۔ اس جانباز کی قدر افزائی اور یادگار کے لئے یورپ کے من چلے اب
بھی اس آبنا کو تیرا کرتے ہیں۔ اس مقام پر آبنا کی فراخی ایک میل ہے۔ ہمارا ہیرو جب
ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو سندھ سے لیکر گنگا تک تمام ذخار دریاؤں کو تیر کر
اُترا اور اس کو فخر سے اپنے حالات میں بیان کیا ہے۔ آدم بر سرِ مطلب اسی عرصہ
میں بابر نے یا مردی سے اخسی پر قبضہ کر لیا۔ جہانگیر بھی تنبل کے چنگل سے نکل کر
بھائی سے آملا۔ لیکن چند ہی روز کے بعد اخسی جہانگیر کی ناتجربہ کاری سے پھر بابر
کے قبضہ سے نکل گئی جس وقت بابر اپنے دشمن تنبل سے لڑ کر اخسی سے نکلا ہے
تو صرف تیس آدمی ہمرکاب تھے اور دشمن کے سوار ہنوز اس کے ہمراہیوں کو گرفتار
کرتے چلے آتے تھے عقب میں ابراہیم بیگ نے بادشاہ کی دہائی دی۔ بابر نے
جو پلٹ کر دیکھا تو ایک غنیم کا سپاہی اس سے لپٹا ہوا تھا۔ وقت اگرچہ بہت نازک تھا
مگر مدد کو بابر نے باگ پھیر ہی دی۔ میان قلی اور خان قلی دو امیروں نے بڑھ کر
گھوڑا روکا اور عرض کیا کہ یہاں اپنی جان لیکر بھاگنا مشکل ہے دوسروں کی مدد

یعنی چہ۔ خدا کے لئے اُس طرف نہ جلئے بابر کو پلٹنا پڑا۔ ابھی سے دو کوس پر جا کر
کہیں غنیم نے پیچھا چھوڑا۔ اب بابر سمیت صرف آٹھ آدمی رہ گئے تھوڑی دیر میں
ایک سیاہی محسوس ہوئی بابر سب کو ایک چٹان کی آڑ میں کر کے خود دیکھنے کو اوپر
چڑھ گیا۔ معلوم ہوا کہ دشمن کے سوار ہیں وہاں سے بھی بھاگے۔ خان قلی نے
بادشاہ سے کہا کہ یوں بھاگنا ٹھیک نہیں ان آٹھ گھوڑوں میں سے دو دو ردّم
گھوڑے چھانٹ کر حضور اور میرزا قلی سرپٹ روانہ ہو جائیں یوں شاید جان بچ جائے گی
ورنہ دشمن نے آلیا مصلحت وقت یہی تھی لیکن بابر کی غیرت نے تقاضا نہ کیا کہ
مصیبت میں اپنے رفیقوں کو چھوڑ دے۔ اس صلاح پر عمل کرنے سے اُس نے قطعاً
انکار کیا۔ تھوڑی دور چل کر بادشاہ کا گھوڑا بے دم ہو گیا۔ خان قلی نے اتر کر اپنا
گھوڑا پیش کیا بابر اپنے گھوڑے سے کود کر اس پر ہو رہا۔ دشمن نے آکر تین سردار
اور گرفتار کر لئے اب بابر کے ساتھ صرف تین آدمی باقی ہیں تھوڑی دور پر دوست
بیگ کا بھی گھوڑا رہ گیا اور چل کر بادشاہ کا یہ گھوڑا بھی جواب دینے لگا قنبر علی نے
حق خدمت ادا کر کے اپنا گھوڑا نذر کیا اور اس پر سوار ہو لیا۔ اب صرف بابر اور
میرزا قلی رہ گئے تھوڑی دور اور چلے تھے کہ میرزا قلی کے گھوڑے کی باری آ لی۔
بادشاہ نے کہا کمبخت تجھے چھوڑ کر کہاں جاؤں یہ کہہ کر اپنے گھوڑے کو آہستہ کر لیا۔
میرزا قلی نے کہا کہ حضرت اگر آپ میری فکر میں رہے تو آپ بھی گرفتار ہو جائیں گے
اپنی فکر کیجئے شاید خلاصی ہو جائے۔ آخر میرزا قلی بھی چھوٹ گیا۔ بابر تنہا چلا جاتا

ہی کہ دشمن کے دو سواروں نے آلیا اور قسمت کا کھیل کہ گھوڑے کا دم بھی پھولنے لگا
ایک پہاڑ سامنے سے نظر آیا بابر کو اپنے پانوں پر پورا اعتماد تھا یہ سوچکر کہ پیدل پہاڑ
میں کسی طرف نکل جاؤں گا۔ گھوڑا برابر بڑھائے گیا۔ بندہ علی اور بابا سرامی وہ
دونوں سوار بھی چلے آتے تھے مگر بابر کے تیروں کے ڈر سے ایک گولی کے ٹپہ پر
سواروں نے جب دیکھا کہ یہ ظالم کسی طرح رُکتا ہی نہیں تو اُنھوں نے کہا کہ جہانگیر
اور ناصر میرزا دونوں گرفتار ہوگئے یہ خبر سُنکر وہ مضطرب ہوا کہ ہم سب اگر دشمن
کے بس میں آگئے تو جو آس بندھ رہی ہے وہ بھی ٹوٹ جائے گی لیکن اُن کو کچھ جواب
نہیں دیا اور بدستور گھوڑے کو بڑھاتا رہا آخر وہ دونوں عیّار گھوڑوں سے اُتر پڑے
اور چاپلوسی کے باتیں بنانے لگے بابر خوب سمجھتا تھا کہ یہ جفا کار باتوں میں لگاکر
میرا راستہ کھوٹا کیا چاہتے ہیں۔ کان اُن کی باتیں سنتے رہے مگر ہاتھ برابر گھوڑے
کو ہانکے جاتے تھے۔ سامنے سے ایک چٹان نے بابر کا گھوڑا روکا، دیکھا تو دوسری
جانب بھی راستہ نہیں ہے۔ اب دشمنوں نے کہا کہ رات اس قدر تاریک راستہ مخدوش
آخر اس جان دینے سے نفع کیا۔ آپ پلٹ کر تنبل کے پاس چلے چلئے وہ آپ کو تخت
پر بٹھاکر خدمتگزاری کو موجود ہے۔ بابر پر ایسے افسوں کب اثر کرتے، اس نے کہا یہ
تو سب خرافات ہے، اگر کچھ خیر خواہی میرے ساتھ کیا چاہتے ہو تو یا مجھے تاشقند کا راستہ
بتادو کہ اپنے ماموں کے پاس چلا جاؤں یا مجھ کو بحال خود چھوڑ کر پلٹ جاؤ، انھوں نے
جواب دیا کہ کاش ہم نہ آئے ہوتے اور اب آئے ہیں تو آپ کو بلا میں چھوڑ کر کس دل

سے پلٹ جائیں اپنے منتر کو موثر بنانے کے واسطے انھوں نے نشست برخاستیں کھائیں
نیک دل بابر کو فی الجملہ اطمینان ہوا اور پیادہ پا اُن کے سامنے چلنے لگا چند قدم
پر جا کر کچھ سوچا اور اُن کو آگے رکھ لیا۔ بابر پہلے ہی دریافت کر چکا تھا کہ آگے ایک
سڑک ملے گی اور وہی منزل مقصود کی راہ ہے۔ بابر سڑک پر پہنچا لیکن وہ چالاک
دھوکا دے کر اس کو دوسری طرف لے گئے صبح ہوتے ہوتے ٹھکانے پر پہنچ کر کہنے
لگے کہ ہم راستہ بھول گئے سڑک تو پیچھے رہ گئی بابر یہ سنکر متردد ہوا کہ صبح ہونے
آئی آبادی قریب اور منزل مقصود کا پتہ نہیں آخر تینوں دن کاٹنے کے لئے ایک
پشتے کی آڑ میں ہو رہے جس آبادی کے قریب بابر کی گردشِ تقدیر لے گئی تھی
بندہ علی اُس کا حاکم تھا بابر سے یہ کہہ کر کہ حضور کے واسطے خاصہ اور گھوڑوں کے
لئے دانہ چارہ حاضر کرتا ہوں قصبہ کو چلا گیا۔ وہاں سے جب بڑی دیر میں پیرو مرشد
لوٹے تو چارہ دانہ تو ندارد تھا خاصہ البتہ لائے اور وہ کیا صرف تین روکھی روٹیاں۔
اُن میں سے بھی ایک ہی بادشاہ کے حصہ میں آئی بادشاہ سلامت اپنی روٹی بغل
میں دبا کر چلے سے پھر پشتے کی آڑ میں آ چھپے نصف شب کو وہ حریف الطائف الحیل سے
بابر کو قصبے کے ایک باغ میں لے آئے تینوں کے پاس قاصد پہلے دوڑا چکے تھے کہ
بابر کو قابو میں کر لینے کا موقع ہے بابر باغ میں جو پہنچا تو سردی بہت تھی ایک شکستہ
پوستین مل گئی اُس کو پہن کر آتشدان کے پاس سو رہا صبح کو بابا سرامی نے جو
پہرہ پر تھا آ کر عرض کی کہ یوسف داروغہ حاضر ہے یوسف داروغہ دشمن کا ملازم

تھا اس کا نام سنتے ہی بابر فکر میں ڈوب گیا اور اس کے بے چین خیالات نہ
معلوم کہاں سے کہاں جا پہنچے اتنے میں یوسف داروغہ بھی آ گیا اور آتے ہی
کہنے لگا کہ آپ سے کیا چھپاؤں آپ کے دشمن بایزید بیگ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔
یہ سننا تھا کہ بابر کے ہوش اڑ گئے ملک و سلطنت عزیز قریب سب دشمنوں کے
پنجے میں تھے آیندہ فلاح کی اگر کچھ توقع تھی تو صرف اپنی اکیلی جان کے بھروسے پر
اب اس سے بھی مایوسی ہوئی جاتی ہے فرط اضطراب میں کہنے لگا کہ اگر ارادہ
کچھ اور ہے تو مجھ کو وضو کر لینے دو یوسف داروغہ قسم کھانے لگا۔ اس وقت اس
کی قسم پر اعتماد کرنا بابر کی قوت سے خارج تھا اپنے دل کو جو ٹٹولا تو نہایت
ضعیف پایا طبیعت کو سنبھالنے کے لئے باغ کے ایک گوشہ میں چلا گیا اور دل
کو یوں تسلی دی کہ اگر دنیا میں سو برس رہے تو بھی ایک روز گزرنا ہے پھر بیتابی
اور پریشانی بےسود ہے آخر بابر ان کینہ خواہوں کے پنجے سے نکل گیا دشمنوں
کے غلبہ اور انتظام نے ماموں کے پاس تک رسائی نہ ہونے دی اور سال بھر
تک بدخشاں کے کوہستان میں بے کس اور تنہا ٹکریں مارتا رہا ؎

زیں غم بکسی نمی تواں گفت
شبہا ست کہ غم گسار خویشم

احمد تنبل وغیرہ کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ شیبانی خاں کا مرد میدان اگر تھا تو
بابر ہے بابر تو اس دشت نوردی میں رہا وہاں شیبانی خاں تنبل و راس کے

اقران کو نیست و نابود کر کے اطمینان سے فرغانہ پر متصرف بن بیٹھا خود بابر کے ماموں
کو اس نے قید کر لیا اور سلطان محمود خاں رہائی پا کر اس ذلت کے صدمے سے
گھل گھل کر مر گیا۔ اُدھر شیبانی خاں بام عروج پر انا و لا غیری کے نعرے لگا رہا
تھا اور ادھر جائے عبرت ہے کہ یہی مقولہ عجیب طور پر بابر کے بھی حسب حال تھا کیونکہ
بدخشاں کے سنسان کوہستان میں غیر کا کوسوں نشان نہیں تھا۔

افغانستان پر یورش

(۹۱۰ھ)

بابر کے قدم تخت کے واسطے بنے تھے اگر تخت پر نہ تھے تو اُن کو راہ طلب
میں ہونا ضرور تھا سال بھر کے بعد یہ شیر کوہستان سے پھر نکلا۔ جیحون کے شمالی کنارے
پر اس کوہستان کے جنوب میں ترمذ ایک شہر ہے۔ کوہستان کے شمالی جانب تو اوزبکوں
کی وجہ سے جا نہیں سکتا تھا پہاڑ سے نکل کر ترمذ چلا آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت
زمانہ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ وسط ایشیا سے اولاد تیمور کی حکومت اُٹھا دے۔ سمرقند و
بخارا اور فرغانہ کے ماجرے تو آپ نے سُن ہی لئے کابل پر الغ بیگ (بابر کا چچا)
حکمران تھا اُس کا انتقال ہوا وارث تخت صغیر سن تھا امرا میں نیابت کی بابت
نزاع ہوئی نیابت درکنار خود ملک کھو بیٹھے۔ قندھار میں سلطان حسین میرزا بادشاہ
خراسان کی طرف سے ذوالنون ارغون حاکم تھا کابل کے جھگڑے کا قصہ سنکر اپنے
بھائی مقیم کو کابل بھیجا مقیم نے کابل پر قبضہ کر لیا اور قبضے کو کامل کرنے کے واسطے

میرزا الغ بیگ کی بیٹی سے شادی کرلی اس طرح کابل سے بھی خاندان تیمور محروم ہو گیا یہی زمانہ ہے بابر کے ترمذ پہنچنے کا وہاں محمد باقی خسرو شاہ کا بھائی والی تھا ازبکوں کی دہشت سے محمد باقی کا دم فنا ہو رہا تھا اور ہر وقت بربادی کی بھیانک صورت اس کی آنکھوں میں گھومتی تھی بابر کو پناہ سمجھ کر اس نے نہایت تپاک سے لیا۔ بابر کو اس مخلصانہ مدارات سے بہت تقویت ہوئی اور اس سے مشورہ کیا کہ اب کدھر جانا چاہیئے اور کیا کرنا مناسب ہے محمد باقی نے یہ اشعار پڑھے

نداری اگر با عدو زور جنگ　　طریق مدارا گزیں بیدرنگ

زملکش بجائے نما انتقال　　کہ یک چند فارغ شوی از قتال

اور پھر کابل کا قصہ کہہ سنایا۔ بابر نے یہ سنکر کابل پر یورش کی عزیمت کر لی محمد باقی بھی ساتھ ہوا بابر جب ترمذ سے چلا ہے تو صرف دو سو تین سو آدمی ہمراہ تھے۔

پریشاں جمعی و جمعی پریشاں

اکثر پیدل۔ ہاتھوں میں تلوار کی جگہ سونٹے لشکر بھر میں صرف دو ڈیرے تھے ایک بادشاہ کا تھا جس میں اس کی ماں ٹھیری تھی اور بادشاہ سلامت بے ڈیرے کے میدان میں بسر کرتے تھے رسد کا کچھ بندوبست محمد باقی نے اپنی گرہ سے کر دیا تھا ترمذ سے یہ باشان و شوکت لشکر نکلکر خسرو شاہ کی عملداری میں ٹھہرا خسرو شاہ پر ولی نعمت زادوں کی اندھے اور قتل کرنے کی لعنت اب برس

رہی تھی اور اوزبکوں کے خوف سے اپنا لشکر ادھر سے اُدھر لئے بھاگا پھرتا تھا اُس
کی شامت اعمال اور بابر کے اقبال سے دونوں لشکر کسی موقع پر جمع ہو گئے
بابر نے جو اُس کے لشکر کی نبض پر ہاتھ رکھا تو پایا کہ تمام لشکر خسرو سے برگشتہ
اور شاہی خدمت پر مائل ہے خود خسرو شاہ بھی کورنش کے واسطے حاضر ہوا۔
دو تین ہی روز میں اس کی سب فوج ٹوٹ کر بادشاہ سے آملی اور خسرو شاہ ہکّا
بکّا رہ گیا مہرزا خاں بابر کے ہمراہ تھا اُس نے اپنے بھائیوں کا قصّہ یاد دلا کر
قصاص کا دعویٰ کیا بابر خسرو شاہ سے جان بخشی کا عہد کر چکا تھا اس کے دل
نے گوارا نہ کیا کہ بیکسی و درماندگی میں اُس سے عہد شکنی کرے۔ خسرو شاہ کو اجازت
دی کہ اپنا مال جس قدر لیجا سکے لے جائے تمام جواہرات اور نقد اونٹوں پر لاد کر
خسرو شاہ لے گیا صرف خیمے وغیرہ بابر کو ملے اس بدوضعی کو لے کر بابر نے
کابل آگھیرا مقیم کچھ روز تو مقابلہ پر قائم رہا آخر اہل کو بیچ میں ڈالکر حاضر ہو گیا۔
بادشاہ نے اس کی تشفّی کی اور وعدہ کیا کہ کل تمہارا سب مال و اسباب
بحفاظت نکلوا دیا جائے گا اگلے دن جہانگیر اور ناصر میرزا کو حکم دیا کہ مقیم کو شہر
تک پہنچا آؤ خسرو شاہ کے نوکر ظلم اور رہزنی کے عادی ہو رہے تھے اُن سے
کب ممکن تھا کہ مقیم کا مال یوں ہاتھ سے نکل جائے یہ لوٹ پر آمادہ ہو گئے جہانگیر
و ناصر نے کہلا بھیجا کہ یہ لوگ ہمارے قابو کے نہیں آپ خود تکلیف کریں۔ بابر نے
جو آکر دیکھا تو عجب بلوہ ہو رہا تھا آتے ہی تو دو چار کے تیر مارے دو ایک کے

سمرقند کر لے جب یہ طوفان بے تمیزی سکون پذیر ہوا اور مقیم نے آرام سے قندہار کی راہ لی یہ بات غور کے لائق ہے کہ خسرو شاہ کی فوج سے الغ بیگ کا ملک بے کھٹکے مل گیا اور گیارہ برس اپنے باپ دادا کے ملک پر ذاتی فوج سے جان ماری کچھ نہ ہوا ؎

خدا اگر بہ حکمت ببندد درے
کشاید بہ لطف و کرم دیگرے

خراسان کا سفر

ما وراء النہر فتح کرنے کے بعد (۹۱۱ھ) اوزبکوں کی ترکتاز خراسان پڑنے لگی بابر پہلے پانچ برس اُدھر سمرقند میں جو پیشین گوئی کی تھی اس کا یقین اب فرمانروائے خراسان کو ہونے لگا مگر اب شیبانی خاں کا زیر کر لینا ایسا آسان نہ تھا سلطان حسین میرزا اگرچہ بہت بوڑھا ہو گیا تھا مگر شاہانہ عزم کے ساتھ ایک دفعہ اور اوزبک کے مقابلہ میں تلوار لے کر کھڑا ہو گیا اپنے تمام بیٹوں کو صوبوں سے بلایا بابر سے بھی مدد کی درخواست کی بابر کا اقتدار ابھی افغانستان کے سرکش جرگوں پر اچھی طرح نہیں ہوا تھا کہ خراسانی ایلچی پہنچا۔ اس کی موجودہ ذاتی مصلحتیں خراسان جانے کے خلاف تھیں اور اگر بابر میں قوت انتقام ہوتی تو سمرقند کا واقعہ یاد دلا کر سلطان حسین میرزا کو جواب ترنک بھیج دیتا لیکن وہ یہ خوب سمجھتا تھا کہ آج خراسا

پر اوزبکوں کی تاک و پو ہی تو کل کابل کی باری بھی آجائے گی بہتر ہی کہ اس وقت
متفق ہوکر اوزبک مغلوب کر لئے جائیں۔ کابل کا بندوبست کرکے خراسان کا سفر
کیا۔ راستے سے سلطان حسین میرزا کو اپنے آنے کی اطلاع کی۔ ایلچی نے پلٹ کر خبر دی
کہ ۱۱ ذی الحجہ ۹۱۱ھ کو سلطان حسین میرزا کا انتقال ہوا۔ بابر کچھ تو خراسانی شاہزادوں
کے پاس قرابت کے سبب اور کچھ اور مصلحت کے لحاظ سے (جن کو وہ بیان نہیں
کرتا ہے) خراسان کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ خراسانی شہزادوں کی متفقہ فوجیں دریائے
مرغاب پر (جو آج کل کی پولیٹکل دنیا میں بھی اہم ہے) مورچہ جمائے پڑی تھیں۔ بابر
جب قریب پہنچا تو شاہزادے استقبال کرکے لشکر میں لے گئے۔ تیموریہ نسل کا یہ
عجیب اور آخری مجمع تھا۔ اگر یہ کسی تجربہ کار کے ہاتھ میں اس کی کمان ہوتی تو یہ
لشکر وہ معرکے سر کر سکتا تھا جو صدیوں تک تاریخ کے صفحوں کو روشن رکھتے۔ افسوس
ہی کہ نازپروردہ اور خود مختار شاہزادوں کی ماتحتی میں یہ لشکر بیکار ہو رہا
تھا۔ اوزبکوں کے چار سو یا پانسو آدمیوں کے غول مرغاب کے قریب تاخت و
تاراج کر رہے تھے ان شہزادوں سے ان کا بندوبست بھی نہ ہوسکا۔ بابر کو ان
بدحواسیوں کی تاب کہاں تھی فوراً اوزبکوں کی گوشمالی کو تیار ہوگیا مگر چونکہ
مہمان تھا روک لیا گیا۔ زمانہ دیدہ سپاہی خان خوب جانتا تھا کہ یہ مجمع چار دن
کی چاندنی ہے۔ اس وقت طرح دیکر سمرقند چلا گیا۔ موسم زمستان بھی آپہنچا۔ عیش پرست
شاہزادوں کو جام ارغوانی اور ساقی پریچہرہ یاد آئے۔ قشلاق کے بہانہ یہ فوج

آنِ واحد میں منتشر ہو گئی شاہزادہ بدیع الزّماں میرزا نے بابر سے ہرات چلنے کے
لئے اصرار کیا معاملات کابل اُس کو اپنی طرف کھینچتے تھے لیکن شوق ہرات بابر
کو اُدھر لے گیا شہر ہرات کو اس زمانہ کی سی رونق و زیبائش شاید کم نصیب
ہوئی ہو گی سلطان میرزا کی چہل سالہ پُرامن حکومت اور میر علی شیر کی قدر دانی
نے کمال اور خوبی سے شہر ہرات کو بھر دیا تھا ہر طرف کے باکمال وہاں جمع تھے۔
اور شہر ہرے بھرے باغ کی طرح شگفتہ ہو رہا تھا بابر نے سیر کے خوب لطف
اُٹھائے ایک روز سلطان احمد میرزا کی بی بی بابر سے ملنے آئی اُس کی بیٹی معصومہ
سلطان بیگم بھی ماں کے ساتھ تھی ؎

عشق آں خانماں خرابے ہست
کہ ترا آورد بخانۂ ما

بابر کی نظر جو اُس ملائک فریب صورت پر پڑی بیتاب ہو گیا اور جائے حیرت
ہے کہ اُس حور وش لڑکی نے ایک نظر میں وہ دل فتح کر لیا جو اتنے بلاخیز معرکوں
میں ثابت قدم رہا تھا آخر بے چین ہو کر چچی کو پیام دیا اور یہ بات طے ہو گئی کہ ماں
بیٹی دونوں کابل آئیں اور وہاں نکاح ہو جائے معصومہ سلطان بیگم کابل آئی
اور بابر نے اُس سے نکاح کیا ایک لڑکی بھی ہوئی مگر اسی مرض میں یہ بیگم داغ مفارقت
دے گئی بابر نے یادگار کے لئے اس لڑکی کا نام معصومہ سلطان بیگم رکھا۔ عائشہ
سلطان بیگم اُس کی بڑی بہن تھی مگر اس سے مفارقت کے بعد یہ نکاح ہوا۔

افغانستان کی برف سے پالا پڑا

شہزادے اگرچہ اصرار سے بابر کو ہرات لے گئے تھے مگر عیش میں پڑ کر اپنے محترم مہمان کو بھول گئے اور رسد کی وقت ہونے لگی برف بھی کثرت سے پڑنی شروع ہوئی اور افغانستان و خراسان کے کوہستان کے سر چند ہی روز میں اس نزلہ نے سفید کر دئے بابر نے دیکھا کہ یہ سد سکندری اس کو نو مفتوح ملک اور وہاں کے جنگجو فرقوں سے جدا کئے دیتی ہے اس خیال نے ہرات کی کیفیت بالکل بدمزہ کر دی اور اس کو ہرات چھوڑنا پڑا جنگل کثرت برف سے سفید چادر ہو رہا تھا اکثر مقاموں پر برف گھوڑے کی ران کی برابر تھی برف جب گرنی شروع ہوتی ہے تو نہ بالکل رقیق ہوتی ہے اور نہ پتھر کی طرح سخت آدمی پاؤں رکھتے ہی دھنس جاتے تھے بابر جتنا آگے بڑھا برف کی مصیبت بھی بڑھتی گئی۔ ایک خیر ہوئی کہ راستے میں غلّہ افراط سے مل گیا اور بابر نے بہ قیمت اس کو خرید لیا ورنہ بھوک اور برف دو دشمنوں سے مقابلہ مشکل ہو جاتا۔ لنگر میر غیاث پہنچکر مشورہ کیا کہ کس راستے سے چلنا چاہیے ایک راستہ گرم سیر قندھار ہو کر کابل جاتا ہے۔ اس میں پھیر بہت ہے مگر برف کی آفت سے نجات مل جاتی ہے دوسرا راستہ سیدھا کابل آتا ہے یہ قریب ہے اور برف سے معمور بلکہ ویران بابر کی رائے تھی کہ قندھار ہو کر چلیں قاسم بیگ نے کہا کہ وہ راستہ بہت چکر کا ہے ہمّت باندھ کر

سیدھے نکل چلئے۔ قاسم بیگ کی یہ رائے گو تکلیف دہ ثابت ہوئی لیکن دوراندیشی پر
بنی تھی بابر اگر جلد کابل نہ پہنچتا تو محمد حسین کا بلوہ دوسرا رنگ پکڑ جاتا اور سخت
دشواری پیش آتی بابر نے طوعاً و کرہاً اس رائے کو مانا اور ایک راہبر کو لیکر سیدھا
کابل چلا راستہ اور جنگل سب کو برف اپنی چادر میں چھپائے ہوئے تھی رہبر کو راستہ
کیونکر معلوم ہوتا خود بھٹک گیا اس کے پیچھے اور بھی گمراہ ہو گئے برف کی وجہ سے
گھوڑوں کے پاؤں زمین تک نہیں پہنچتے تھے اور قطع مسافت دشوار ہو گیا تھا مگر
بیگ کو اپنی رائے کی ذمہ داری یاد آئی پیادہ پا ہو کر راہ صاف کرنے لگا اس
کے چودہ عزیز و قریب بھی شریک ہو گئے تھا بابر بھی گھوڑا چھوڑ کر ان میں جا ملا۔
یہ شاندار سولہ قلی راستہ صاف کرتے تھے اور تمام لشکر پیچھے گردن جھکائے چلا آتا
تھا راستہ صاف کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ سولہ آدمی آگے پیچھے قطار باندھ کر استادہ
ہو جاتے تھے ان کے پیدل کھڑے ہونے سے برف اتنی دب جاتی تھی کہ ایک
گھوڑا کھڑا ہو سکے اس کے بعد اس خالی جگہ میں ایک کوتل گھوڑا کھینچا جاتا دس
پندرہ قدم چلکر گھوڑے میں آگے چلنے کی طاقت نہیں رہتی تھی اس کو ہٹا کر دوسرا
گھوڑا کھینچتے تھے اس طرح یہ سولہ جوانمرد اپنی قوت بازو اور اپنے گھوڑوں کی مدد سے
صبح سے شام تک میل ڈیڑھ میل راستہ تیار کر کے لشکر کو بڑھاتے تھے ان کے سوا نہ
کسی نے خود کام کیا اور نہ گھوڑے سے مدد کی۔ بابر کے تحمل کو دیکھئے کہ نہ یہاں
کسی سے اس نے مدد دینے کا تقاضا کیا اور نہ کابل پہنچکر اس بے وفائی اور

خیرہ چشمی کی کسی سے شکایت کی ایک روز شام کو منزل دامن کوہ میں ہوئی۔
سردی کی یہ شدت کہ الامان۔ سب کو یقین تھا کہ آج ہمیں برف کے کفن اور
قبر میں دفن ہو جائیں گے بابر نے درّہ کے پاس سینے کے برابر برف کھود کے
اپنا تمبو اچھا لیا اور شاہی تمبو اب بھی برف کے سنگ مرمر کے تخت پر تھا۔
بعض ہوا خواہوں نے گزارش کی کہ اس غار کے اندر بیٹھ جائے لیکن بابر
کی حمیّت نے تقاضا نہ کیا کہ اپنے جان نثار سپاہیوں کو چھوڑ کر خود آرام سے
جا سوئے وہیں بیٹھا رہا لوگ مامن کی تلاش میں بے قرار تھے غار کو جو روشنی
سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بہت وسیع ہے اور سب آدمیوں کی گنجائش اس میں
ہو سکتی ہے وہ لوگ وہیں سے جوش خوشی میں چلائے کہ یہاں جگہ بہت ہے بابر
کا سر زانو پر جھکا رہا تھا یہ جانفزا اور دلربا جملہ سنکر چونک پڑا اگر خود بابر نے
نہ بیان کیا ہوتا تو ہم اس کو مبالغہ سمجھتے کہ اس وقت اس کی پشت اور سر پر چار چار
انگشت برف جم گئی تھی اس بلائے آسمانی کو جھاڑ کر غار میں چلا گیا اور اہل لشکر
بھی وہیں چلے آئے اور سب نے مل کر اپنا اپنا کھانا نکالا غالباً بابر کابل اور
اکبر آباد کے دیوان خانوں میں الوان نعمت کھا کر کبھی اتنا مسرور نہ ہوا ہوگا
جتنا اُن روکھی سوکھی رنگ برنگ کی روٹیوں کو کھا کر خوش ہوا صبح ہوئی تو
پھر وہی برف اور وہی قلیوں کی خدمت اس سفر میں اکثر آدمیوں کے ہاتھ پاؤں
شل ہو گئے کانوں کی یہ کیفیت ہو گئی جیسے کسی شاخ پر پژمردہ پتا لگا ہے یہی

کابل کی مشہور برف ہی جس کے مہیب افسانے آج کل کی تاریخ کو بھی عبرتناک بناتے جاتے ہیں یا بربے جس شاہانہ اولوالعزمی سے اس برف کی مہم کو سر کیا غالباً اس کی نظیر بہت کم ملے گی بہت کم پادشاہ ایسے ہوئے ہوں گے جنھوں نے اپنی بے کس سپاہ کے واسطے برف کھود کر راستہ بنایا ہوگا اور سپاہیوں کو مدد کی تکلیف نہ دی ہوگی اس بلائے عظیم کو بصد دشواری طے کرکے بابر ہزارستان آپہنچا ہزارہ کے وحشی جرگوں نے حملہ کیا۔ مگر اُن کو سزا دیکر شاہی فوج آگے بڑھ گئی۔

کابُل کا فساد

بابر جب خراسان کو گیا تھا تو کابل میں خان میرزا، شاہ بیگم بابر کی سوتیلی نانی مہرنگار خانم اس کی خالہ اور محمد حسین میرزا اور سلطان جنید برلاس موجود تھے محمد حسین میرزا کی بابر کی ایک خالہ سے شادی ہوئی تھی اور سلطان جنید برلاس بھی ننہال کی طرف سے قرابت دار تھا۔ میدان خالی پاکران دونوں کھلاڑیوں نے ایک نیا سوانگ بھرا خان میرزا کو کابل کا بادشاہ بنایا اور اپنے رشتے کا پھندا ڈال کر بیگمات کو بھی سازش میں شریک کرلیا یہ دیکھ کر مغل بھی ان کے مددگار ہوگئے۔ عوام الناس کو اپنا طرفدار بنا لینے کے لئے یہ مشہور کردیا کہ بادشاہ کو خراسانی شہزادوں نے قید کرکے جیل خانہ بھیجدیا۔ یہ بھی ویسا ہی ہوا جیسے محمد شاہ بادشاہ دہلی نے نادر شاہ کو قتل کرڈالا تھا اور دلی کے چنڈو خانوں میں سلطان

اس راز کو فاش کر گیا تھا۔ اُمرائے بابری کو ارک کابل میں محصور ہونا پڑا یہی وہ
وقت ہے جب بابر ہزارستان آ گیا ہے۔ اگر قاسم بیگ سیدھے راستے سے نہ نکال
لایا ہوتا تو یہ فساد شاید اور زیادہ زور پکڑ جاتا۔ بابر کو ہزارستان میں یہ خبر ملی۔
امرائے محصور کے پاس فوراً ایک آدمی دوڑایا کہ ہم آ گئے فلاں روز کوہ منارہ
پر آ کر آگ روشن کریں گے تم بھی اُس کے جواب میں آگ جلانا تاکہ ہم سمجھیں
کہ تم ہوشیار ہو۔ اس کے بعد دونوں طرف سے حملہ کر کے دشمنوں کو سمجھ لیں گے۔
اس آدمی کو بھیجکر ہزارستان سے یلغار کر کے بابر کابل آ پہنچا باغیوں سے مقابلہ
ہوا مگر بابر نے دو تین ہی حملوں میں اُن کو منہزم کر دیا۔ فتح کے بعد بابر ارک میں
آیا یہاں محمد حسین میرزا اُس کے خالو کو گرفتار کر کے لائے نیک دل بابر مثل سابق
تعظیم کو اُٹھ کھڑا ہوا اور پاس بیٹھنے کی اجازت دی۔ اس کے بیٹھنے کے بعد کچھ
شکایت بھی نہیں کی بدلے یا سزا کا کیا ذکر ہے بیگمات نہایت نادم تھیں اُن سے
بھی حسب دستور با ادب ملا اور تسلی و دلجوئی سے اُن کی خاطر جمع کی۔ خان میرزا
اس معرکے سے نکل بھاگا تھا شاہی سوار اُس کو بھی پکڑ لائے بابر دیوان خانہ
میں بیٹھا تھا کہ خان میرزا پیش ہوا اُس کو دیکھتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا آؤ گلے مل
لیں! وہ بیچارہ یہ مدارات دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو گیا اور مشکل سے بابر
کے پاس تک پہنچا۔ گلے لگا کر بادشاہ نے اپنے پاس بٹھایا اور خانساماں کو حکم
دیا کہ شربت جلد لائے۔ جب شربت آیا تو خان میرزا کے اطمینان کے واسطے پہلے

خود تھوڑا سا پیا اس کے بعد اس کو پلایا اس کے بعد بھی بابر ان باغیوں کے
درپے آزار نہیں ہوا اور بتدریج وہ ادھر اُدھر چلے گئے۔

فتح قندھار
(۹۱۳ھ)

گزشتہ موقع پر شیبانی خاں میدان چھوڑ کر سمرقند چلا گیا تھا اور اس کے
جاتے ہی خراسانی متفقہ فوج خواب پریشان ہو گئی تھی موقع پا کر پھر اُس نے
خراسان پر حملہ کیا شہزادے خدا جانے کس گوشے میں مدہوش پڑے تھے
کہ شیبانی دار السلطنت ہرات پر قابض ہو گیا اور ایک لڑائی نہیں ہوئی سلطان
حسین میرزا کے عہد میں جو راحت و آسائش رعایا کو نصیب ہوئی تھی افسوس
جفا کار ازبکوں کے ایک ہی حملے نے کالعدم کر دی شہر ہرات خوب لٹا اور
وہاں کے باکمال دل کھول کر تنگ کئے گئے۔ فتح خراسان کے بعد ازبکوں کی
دھمکی قندھار پر بھی۔ قندھار اُس وقت خراسان کا ایک صوبہ تھا۔ یہاں کے گو
رنر نے مضطرب ہو کر بابر کو لکھا کہ قلعہ قندھار حاضر ہے آکر قبضہ کر لیجئے بابر یہ خیال
کر کے کہ قندھار لے کر ازبک کابل پر حملہ کریں گے قندھار کو روانہ ہوا جب
قندھار کے قریب پہنچا تو امرا اُس کے بلانے سے پشیمان تھے ان سے لڑائی ہوئی
اور لڑائی کے بعد قندھار بابر کا تھا مال غنیمت کثرت سے ہاتھ لگا جس خوف نے
خراسانی حاکموں کے قدم متزلزل کر دیے تھے اُس نے بابر کو بھی وہاں نہ رہنے دیا

کہن سال مشیروں کی صلاح سے ناصر میرزا کو قندھار دیکر خود ہٹ آیا۔ ہفتہ بھر بھی ناصر
میرزا نے قندھار پر حکومت نہیں کی تھی کہ شیبانی خاں نے قندھار پر دھاوا کیا۔
اور غزنی پہنچتے ہی قندھار نکل جانے کی خبر سنکر بابر کو خود اپنے واسطے دارالامن کی
تلاش ہوئی خراسان اور ماوراءالنہر سے نسل تیموریہ بالکل بے دخل ہو چکی تھی اور
پردۂ زمین پر صرف بابر اس دودمان کی یادگار رہ گیا تھا۔ بابر ازبکوں کے
مقابلہ میں پہلے بھی گویا ناکام ہی رہا تھا اب تو ان کی قوت نصف النہار ترقی پر تھی۔
ایک لمحہ کے واسطے بھی اس نے جنگ آزمائی کا خیال نہیں کیا اور جلسۂ کنگاش جمع
کرکے اس اہم مسئلہ پر بحث کی اہل شوریٰ میں دو فریق ہوگئے ایک فریق کی رائے
تھی کہ بدخشاں چلنا مناسب ہے بدخشاں کابل کی بہ نسبت ہر چند قندھار سے زیادہ
دور ہی اور کوہستان کا قدرتی حصار بھی اس کے گرد کھنچا ہوا ہے لیکن ایسا دور بھی
نہ تھا کہ شیبانی خاں کی رسائی سے باہر ہوتا۔ علاوہ بریں مذکور اتنا زرخیز بھی نہیں کہ وہاں
کی آمدنی سے بابر اپنی قوت بڑھا سکتا۔ لعل جن کی بدولت بدخشاں اس قدر مشہور
ہو لب دلدار اور خون جگر کی تشبیہ استعارہ میں زندہ دل شاعر بالکل صرف کر چکے ہیں
اب ان کا کچھ پتہ نہیں۔ دوسرے فریق نے ہندوستان کو پسند کیا۔ اولوالعزم بادشاہ
بھی اس میں شریک تھا اسی رائے کو غلبہ رہا خراسان اور ماوراءالنہر میں ازبک
شاہان تیموریہ کو اگرچہ شہ مات کر چکے تھے مگر ایران میں ایک اور زبردست
حریف پیدا ہو لیا وہ زمانہ ہے کہ شاہ اسمٰعیل صفوی نے اپنی بلند ہمتی سے ایران

میں سلطنت صفویہ کا بنیادی پتھر نصب کیا اور ذوالفقار حیدری کے برش کا لوہا
تمام ایران مان گیا۔ اوزبک اُدھر سے فارغ ہو کر ادھر متوجہ ہوئے اور سرحد عراق
پر جانبازی و عرق ریزی شروع کی سرحد پر دونوں جرار لشکروں کا مقابلہ ہوا۔
اوزبک زک کھا کر بھاگے اور قزلباش سرخ رو رہے شیبانی اس معرکہ میں مارا
گیا۔ اسی فتح نمایاں کے صلہ میں زمانے نے خراسان شاہ اسمٰعیل کے سپرد کیا۔

سمرقند و بخارا تیسری مرتبہ بابر فتح کرتا ہے

سمرقند میں بابر کی بہن اوزبکوں کے پنجہ میں پھنس گئی تھی اور شیبانی خاں نے
اُس سے نکاح کر لیا تھا مرو فتح کرنے کے بعد شاہ صفوی نژاد نے اس سے ایسا ہی
برتاؤ کیا جو ایک جوانمرد بادشاہ کو زیبا ہے باعزاز اس کو بھائی کے پاس کابل
بھیجدیا بابر نے شیبانی خاں کے قتل کا ماجرا سُنا تو سمرقند و فرغانہ پھر یاد آیا۔
شاہ اسمٰعیل کے پاس ایلچی اور ہدیے بھیجکر اتحاد کی سلسلہ جنبانی کی۔ اُس طرف
بھی یہ پیمان ہو گیا کہ یہ ملک جس قدر فتح کر لو وہ تمہارا ہے بابر غزنی سے فوج
فراہم کر کے براہ بدخشاں ترکستان پہنچا۔ بوڑھا شیبانی خاں اگرچہ مر گیا تھا۔ مگر
جنگ جو اوزبک ابھی باقی تھے خوب لڑائیاں ہوئیں لیکن بخارا و سمرقند بابر نے
فتح کر لیا۔ بخارا میں جوشیلوں کا گویا ہر کرنے شاہ صفوی کی رضاجوئی کے
واسطے دوازدہ امام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اس مرتبہ آٹھ مہینے ترکستان پر حکومت

بابری رہی۔ فصلِ بہار میں پھر ازبک جنگ آزما ہوئے۔ بابر کو شکست ہوئی اور ناکامی نے ہمیشہ کو غریب الوطن کر دیا۔ اس مہم سے واپس ہو کر افغانستان کی حکومت کو بابر استحکام دیتا رہا۔ سرکش جرگوں کو مطیع کرنے کی یہ تدبیر نکالی تھی کہ جو جرگہ سرتابی کرتا فوراً شاہی فوج اُس کے سر پر ہوتی۔ اُن کو منتشر کر کے مقتول افغانوں کے سروں کا کلّہ منارہ بنا دیا جاتا تھا اور دُنبے اور بکریاں ضبط کر لی جاتی تھیں۔ افغانستان میں مستقل ہو کر بابر نے بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ اولادِ تیمور میں یہ لقب پہلی دفعہ انتخاب ہوا۔ تیمور امیر اور اس کی اولاد میرزا (مخفف امیرزا) کے لقب سے مشہور رہے۔

ہندوستان کو فتح کیا

۹۳۲ھ تک بابر انھیں خفیف مہموں میں مصروف رہا۔ اسی زمانے میں چار بار حملے اُس نے ہندوستان پر کئے۔ لیکن چاروں مرتبہ اُس کی یورش پنجاب کے ملک پر محدود رہی۔ ان حملوں سے غالباً اُس کا یہ مقصود تھا کہ سرحدی فرقوں کو مطیع و مانوس کرے۔ اگر ہندوستان میں ناکامی ہوتی تو افغانستان سے ادھر بھی اس کو پناہ مل جاتی۔ امیر تیمور نے ہندوستان فتح کر کے پنجاب کو اپنی وسیع سلطنت کا ایک جزو بنا لیا تھا۔ اس کی وفات کے بعد یہ ملک اس کی اولاد کے قبضے میں رہا۔ جب وہ باہمی نزاعوں میں پھنس کر ضعیف ہو گئے تو پنجاب کے حاکم خود سر

بن بیٹھے جب سلطنت لودیہ قایم ہوئی تو خطبہ پڑھ کر یہ حاکم اس سلطنت کے برائے نام
مطیع ہو گئے۔ سلطان سکندر نے ان کو معزول کر کے پنجاب کو اپنے ملک میں شامل کر لیا۔
بابر نے یہ کہکر کہ یہ ملک ہمارا ہی ہے اپنے لشکر کو کبھی لوٹ مار کی اجازت نہیں دی
اور پنجابیوں سے ہمیشہ شاہانہ برتاؤ رکھا۔ جو جمع ان پر تشخیص کر دی گئی تھی بس وہی انتظام
کے ساتھ سال بسال وصول کر لی جاتی تھی۔

حملہ بابری کے وقت ہندوستان کی پولیٹکل حالت

آخر بابر نے ان ہندیوں کی آمدنی اور افغانستان کی آبادی سے اپنی فوج مرتب
کر کے سنہ ۹۳۲ھ میں براہ خیبر ہندوستان پر پانچواں اور آخری حملہ کیا۔ دریائے سندھ
کو عبور کرتے وقت جب بخشی فوج نے جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اچھے برے بارہ ہزار ۱۲۰۰۰ آدمی
لشکر میں تھے۔ یہ سد کی مصلحت سے بابر دامن کوہ میں سیالکوٹ کی طرف بڑھا اور
۱۴ ربیع الاول کو سیالکوٹ پہنچا۔ ہندوستان کی پولیٹکل حالت اس وقت متقاضی
تھی کہ کوئی بیرونی حملہ آور ملک کو کاہل فرمانرواؤں کی حکومت سے نجات بخشے۔
قوی و ضعیف سات حکومتیں حملہ بابری کے وقت ہندوستان میں قایم تھیں اول
سلطنت لودیہ تھی پنجاب سے بہار تک اس خاندان کی فرمانروائی تھی اگرچہ ہمیشہ
اس ملک کے بادشاہوں کا دار السلطنت دلی رہی تھی مگر سلطان سکندر نے گوالیار
کی مصلحت سے آگرہ کو صدر قرار دیا تھا سلطان ابراہیم اس زمانہ میں تخت پر تھا۔

آٹھویں صدی ہجری کے خاتمہ پر سلطان فیروز شاہ خلجی کے بعد سلطنت دہلی کو خود سنبھالنا
مشکل ہو گیا تھا دور دراز صوبوں کو کون سنبھالتا۔ گجرات اور مالوہ کے گورنر خود سر
ہو گئے۔ اس سے چند برس پیشتر دکن میں دولت بہمنیہ قایم ہو چکی تھی بابر کے حملہ ۱۵۲۶ء
کی تو سلطنت گجرات ۱۱۵ برس کی ہو کر بستر نزع پر زندگی کے دن پورے کر رہی
تھی۔ کرگس صفت امیروں نے اس کے دم نکلنے سے پہلے ہی حصے تقسیم کرنے
شروع کر دیئے تھے۔ حکومت مالوہ بھی جس کا دارالسلطنت ہندو ریاست اندور
تھا زوال کے کنارے آ لگی تھی اور رانا سانگا کے دلیرانہ حملوں نے خاتمہ بہت
قریب کر دیا تھا۔ سلطنت بہمنیہ بھی خود سر امرا کے ہاتھوں سے تنگ آ کر عنقریب
دم توڑنے والی تھی بنگالے میں بھی ایک اسلامی سلطنت دہلی کی ہم عمر تھی یورش
بابری کے وقت بھی اس میں کسی قدر دم خم باقی تھا۔ ہندو راجاؤں میں ذکر کے
قابل صرف دو راجہ تھے ایک رانا سانگا چتوڑ کا راجہ دوسرا راجہ بیجے نگر۔ بابر جن
کے مقابلہ میں مدعی بننے والا تھا وہ سلطان ابراہیم اور رانا سانگا ہیں۔ سلطان ابراہیم
لودی اسی خصلت کا پادشاہ تھا جیسے ہر خاندان کے مٹانے والے فرمانروا
ہوتے ہیں۔

سلطنت لودیہ پٹھان امیروں کی مدد سے قایم ہوئی تھی۔ سلطان بہلول اور
سلطان سکندر ان امیروں سے خلوت وجلوت میں برادرانہ پیش آتے تھے دربار
کے مراسم و آداب شاہی کی پابندی سے بھی سادہ دل افغانوں کو کچھ مطلب

تھا دربار میں اپنے بادشاہ کے زانو بہ زانو بیٹھتے تھے سلطان ابراہیم لودھی نے تخت
پر قدم رکھ کر پہلا کام یہ کیا کہ اگلی مدارات بالکل موقوف کر دی۔ بیباک افغان بگڑ گئے
اور جو جہاں تھا وہیں خودسر بن بیٹھا سلطان ابراہیم کا بہت سا عہد سلطنت ان
اراکین سلطنت کے تباہ کرنے میں گزرا اگرچہ امرا پر وہ غالب آ گیا مگر ان نزاعو
ں نے سلطنت کی بنیاد ہلا دی۔ سلطان ابراہیم بخیل بھی بہت تھا اس لئے تمام
ملازم اس سے بیزار تھے غازی خاں اور اس کا دیرینہ سال باپ دولت خاں
دولت ابراہیمی کے دو نہم ممتاز سردار تھے بابر کی غیبت میں اس کے پنجابی
صوبے میں انھوں نے بہت فتور مچایا تھا۔ سیالکوٹ پہنچکر بابر کو خبر پہنچی کہ غازی
خاں اور دولت خاں دریائے راوی کے مغربی کنارے پر لشکر لئے پڑے
ہیں بابر گوشمالی کے واسطے ان کی طرف بڑھا۔ ہنوز ان کے قریب پہنچا ہی تھا کہ وہ
منتشر ہو کر میدان چھوڑ گئے ان سرداروں کا مسکن قلعہ ملوٹ میں تھا یہ قلعہ ستلج اور
بیاس کے مابین شمال کے رخ کوہستان میں واقع تھا بابر نے اس قلعہ کو گھیرا
بوڑھا دولت خاں تو قلعہ میں تھا لیکن غازی خاں کسی اور طرف نکل گیا تھا۔
بوڑھے سردار نے جوان بخت بادشاہ سے عہد و پیمان کر کے قلعہ خالی کر دیا قلعہ
میں دولت کثیر ملی۔ اور یہ روپیہ اس آڑے وقت میں بابر کے بہت کام آیا۔
مصنف تاریخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ غازی خاں کا کتاب خانہ بھی ہاتھ لگا جس
میں نفیس کتابیں بکثرت تھیں بادشاہ بابر کا بیان اس کی تردید کرتا ہے اس نے

بیان کیا ہے کہ اس کتاب خانہ کی شہرت تو بہت تھی مگر عمدہ کتابیں کم نکلیں ملّا یا نہ
کتابیں بہت جمع کر رکھی تھیں۔ غازی خاں کا پٹھان ہونا بھی اس کی تائید کرتا
ہے کیونکہ افغان فقہ کے سوا بہت کم علوم و فنون کی قدر کرتے ہیں۔ اس عارضی
مہم سے فارغ ہو کر بابر نے بادشاہ دہلی کی طرف رخ کیا۔ اثنائے راہ میں اکثر
دغاباز لودی امیروں کے خطوط ملے جنہوں نے جلد یورش کرنے کی ترغیب دی تھی۔
انبالہ کے قریب جاسوسوں نے خبر دی کہ حمید خاں حاکم حصار آٹھ ہزار فوج لیکر
حصار سے پندرہ کوس بڑھ کر مقابلہ کو آیا ہوا ہے۔ بابر نے نوجوان شہزادہ ہمایوں
کو حملہ کا حکم دیا۔ تھوڑی سی لڑائی کے بعد حمید خاں کے قدم اکھڑ گئے اور میدان ہمایوں
کے ہاتھ رہا۔ ہمایوں کی یہ اول مہم تھی۔ باپ نے اس فیروزی کے صلہ میں حصار
فیروزہ کا ملک ہونہار بیٹے کو بخشدیا۔

سلطان ابراہیم سے لڑائی

سلطان ابراہیم دلّی سے تو مدت کا نکل آیا ہوا تھا مگر شاید غازی خاں اور
حمید خاں کا انجام دیکھنے کو وہیں ٹھٹک رہا۔ یہ دیکھ کر کہ راستے کے ان کانٹوں کو
ہٹا کر بابر بے کھٹکے چلا آرہا ہے اُس نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا۔ بابر نے اُس
سے پہلے آکر پانی پت کا عمدہ موقع قابو میں کر لیا۔ فوج کا پڑاؤ اس طرح تھا کہ دست
راست کو شہر پانی پت کی پناہ تھی۔ سامنا ارابوں سے رکا ہوا تھا۔ ارابہ ایک

قسم کی گاڑی ہوتی تھی یہ سات آٹھ سو ارابوں کو پکے چمڑے کے تسموں اور زنجیروں سے جکڑ دیتے تھے۔ اس طور پر ایک چھوٹا سا حصار بن جاتا تھا اس حصار کی پناہ میں بندوقچی باڑھ مارتے تھے۔ ترکی فوج سے یہ ترکیب اخذ کی گئی تھی فوج کی بائیں طرف خندق کھودی گئی۔ چھ کوس کے فاصلہ پر سامنے سلطان دہلی کا لشکر تھا۔ دہلی کے لشکر میں تخمیناً ایک لاکھ آدمی اور ہزار ہاتھی تھے ایک ہفتہ تک دونوں فوجیں مقابل پڑی رہیں۔ ۸ رجب کو علی الصباح جاسوس خبر لائے کہ غنیم حملہ کیا چاہتا ہے۔ شاہ بابر یہ سنتے ہی اپنی مسلح فوج آگے بڑھا لایا اور یمین و یسار اور قلب درست کر کے میدان میں آ جا۔ ہندوستانی لشکر نے اپنے ضابطے کے مطابق تیزی سے حملہ کیا جیش بابری کے نظم و نسق کو دور سے دیکھا تو دنگ رہ گئے اور ان کے قدم رہیں سے وہیں پڑ گئے تغلیب آنے پر شاہ بابر نے حکم دیا کہ فوج کا ایک حصہ غنیم کے داہنے بائیں سے نکل کر اس کی پشت پر تیر برسائے۔ باقی فوج کو بتدریج آگے بڑھایا۔ آفتاب ایک نیزہ بلند ہوا تھا کہ لڑائی زور سے شروع ہوگئی اور دونوں طرف کے بہادروں نے مردانگی کے خوب خوب جوہر دکھائے دوپہر کو سلطان لودی مارا گیا اور پٹھانوں کے قدم میدان پایۂ تخت ہندوستان سے اٹھ گئے اور فتح و ظفر نے شاہ فرغانہ کو دہلی کی مبارکباد دی پانی پت کی ان تین لڑائیوں سے یہ پہلی لڑائی ہے جن کی فتح و شکست نے سلطنت ہندوستان کا فیصلہ کیا ہے۔ دشمن کے ۱۶ ہزار آدمی کام آئے کہ دو ہزار صرف اپنے آقا سلطان ابراہیم کے قدموں پر کٹے پڑے تھے

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ بہادر پٹھانوں نے کس خوبی سے حق نمک ادا کیا تھا۔
بابر کے مقتول سپاہیوں کی تعداد نہیں معلوم ہوئی اگر اُن کی ترتیب و تربیت نے
کثرت سے آدمی تلف نہ ہونے دئیے ہوں گے فتح یاب ہوکر بابر سلطان دہلی کی
خیمہ گاہ کو گیا۔ مقام عبرت ہے کہ جن عالیشان خیموں میں چند ہی گھنٹے پہلے ہندوستان
کا بادشاہ اور ایک لاکھ فوج کا سپہ سالار متمکن تھا اُس وقت ان میں ایک ہُو کا عالم
تھا اور وحشت و مایوسی کا دلگیر سماں بندھ رہا تھا۔ نہ زرق برق نقیب تھے اور
نہ طمطراق کے چوبدار۔ حسرت و مایوسی البتہ دلگداز صدا سے ابراہیم! ابراہیم!!
پکار رہی تھی۔ نیرنگی عالم کا یہ بھی عجیب تماشا ہے کہ ایسی پُرحسرت کیفیت کو
دیکھ کر فاتح کا دل جوش مسرت اور انبساط سے بیتاب ہو گیا ہوگا بادشاہ وہیں ماندہ
سپاہ اور خستہ گھوڑوں کی خاطر سے ٹھہر گیا اور ہمایوں اور خواجہ کلاں کو آگرہ اور کچھ
امیروں کو دہلی روانہ کیا کہ قلعوں پر قبضہ کرکے خزانوں پر متصرف ہوجائیں چند روز
آرام لیکر خود بھی باہستگی دہلی کو آیا۔ شیخ المشائخ نظام الدین اولیاؒ اور قطب صاحب
کے مقدس مزاروں پر فاتحہ پڑھ کر اُن اولوالعزم بادشاہوں کے مقبروں و یادگاروں
کو دیکھا جو اس سے پہلے اس جہان بے ثبات میں اپنے جوہر دکھا چکے تھے اور زمانے
نے ان کو مٹا کر قبروں میں آرام سے سلا دیا تھا۔

من از آسودگیِ خفتگانِ خاک دانستم
کہ غیر از خفتن بہر خواب راحت نیست با ایشاں

۲۲ رجب کو شاہ بابر آگرہ آیا۔ سلطان ابراہیم کی شکستہ دل ماں جس کی اقبال مندی کا زمانہ گزر چکا تھا بیکس بیواؤں اور بیچارے یتیم کو لیکر دربار شاہی میں چلی آئی اور مؤثر الفاظ میں کامیابی کی مبارکباد دی۔ شاہ بابر کے دل پر اُن کی مایوسی نے بہت اثر ڈالا' اُن کے واسطے اُس نے سات لاکھ روپیہ سالانہ کی پنشن عطا کی۔ اور آگرہ سے کوس بھر کے فاصلہ پر جمنا کے کنارے ان کے لئے مسکن تجویز کر دیا۔ سلطان ابراہیم کے یتیم بچے کو اس نے اپنی تربیت میں رکھا اور مثل اپنے بچوں کے نازو نعمت سے اس کی پرورش کی ہندوستان میں فاتحوں نے اپنے دشمنوں کے اقربا کے ساتھ ایسا فیاضانہ برتاؤ بابر سے پہلے شاید ہی کیا ہو۔ اس مہذب زمانہ میں بالضرور ایسے آئین دیکھے جاتے ہیں مگر ساڑھے تین صدی پہلے کے زمانہ میں ایسا ہونا حیرت سے خالی نہیں۔ امرائے لودی کو بھی اُس نے اپنی فیاضی سے خدمت میں لیا اکثر کی جاگیریں اور خطاب بدستور رہنے دئے۔ فتح خاں شروانی راو شروانی اور سلطان علاؤالدین بن سلطان بہلول لودی اس کے عہد میں بھی معزز و معتمد رہے ہیں۔ آگرہ کا قلعہ خزانہ سے معمور تھا۔ ابراہیم لودی اور اس کے پیشرؤں نے جو دولت سالہائے دراز میں فراہم کی تھی زندہ دل بادشاہ نے اس کا ملاحظہ کیا۔ مال غنیمت میں ۲ ½ تولہ وزن کا وہ بیش بہا الماس بھی تھا جس کا نام سلطان علاؤالدین خلجی کے عہد سے ہندوستان میں روشن ہو رہا تھا یہ زر وجواہر دیکھ کر بابر کے فیاض دل میں ایک جوش پیدا ہوا اور اپنے غریب اہل وطن

اُس کو یاد آئے۔ ۲۹ رجب کو اس نے بخشش شروع کی بیشتر لاکھ روپیہ الماس مذکور اور
ایک سربند خزانہ کا کمرہ ہمایوں کو عنایت ہوا کسی امیر کو ۸ لاکھ اور کسی سردار کو ۱۰ لاکھ
بخشدئے جتنے سپاہی تھے سب کو اُن کی جانبازیوں کے صلے ملے سوداگر اور طلبہ
وغیرہ جو فوج کے ہمراہ تھے وہ بھی فیضیاب ہوئے مکہ معظمہ مدینہ منورہ، سمرقند
خراسان سبھی ملکوں کو سوغات بھیجی گئی۔ افغانستان کو فی کس ایک شاہ رخی روانہ
کی۔ محمد قاسم فرشتہ نے اس بذل وجود کا حال لکھا ہے کہ ”اس دریا دلی سے
ایک زمانہ پر حضرت کی قلندری ہویدا ہو گئی“ ۵

ح۔ اللہ اللہ کہ عطا کرد کہ اندوختہ بود

ہر چند بابر فرمانروائے دہلی پر فتح پا چکا تھا مگر ابھی بہت سی دقتیں حل کرنی
تھیں سلطان ابراہیم کے عہد میں ارکین سلطنت بہت زور پکڑ چکے تھے اور ان
کی یہ حالت نہ تھی کہ اپنے بادشاہ کے مغلوب ہوتے ہی بیدست و پا ہو جاتے۔
پانی پت کا میدان سر کرکے جب شاہ بابر آگے آیا ہے تو ہندوستانیوں اور مغلوں
میں سخت مغائرت تھی۔ رعایا تک دُور دور بھینچی تھی افغانی سردار جو جہاں تھا
وہیں سنبھل بیٹھا۔ سنبھل میوات دھولپور۔ گوالیار۔ اٹاوہ۔ کالپی۔ قنوج ہر ایک
جگہ سرکش امیر لڑائی کو تیار بیٹھا بادشاہ جب آگرہ میں آیا تو اہل شہر گھر چھوڑ چھوڑ
کر بھاگ گئے سپاہ کو رسد کی سخت مصیبت برداشت کرنی پڑی۔ بڑی بلا یہ تھی
کہ اس وقت گرمی کی فصل تھی اور آگرہ کا تنور خوب گرما رہا تھا۔ سرد ملک کے مغلوں

اس بلائے بے درماں سے اول ہی مرتبہ سابقہ پڑا بہت سے گرمی کی تاب نہ لاسکے اور مرگئے اس بلاسے نجات پاگئے جو زندہ بچے اُن کی ہمتیں پست اور پژمردہ ہوگئیں اور سب افسر و سپاہی نے ایک زبان ہو کر کابل پلٹنے کی فریاد کی بابر نے تسلی و دلجوئی کرکے ان کو روکا اس پر بھی کچھ چل ہی دئے خواجہ کلاں جو بابر کا یار اور معزز امیر تھا، کابل جاتے وقت دلی کے کسی مکان پر یہ شعر لکھ گیا ؎

اگر بخیر و سلامت گذر ز سند کنم
سیاہ روئے شوم گر ہوائے ہند کنم

اُس نے اپنا کہنا کر دکھایا اور پھر کبھی ہندوستان کی طرف اپنا چہرہ کالا نہیں کیا

اصلاح

بابر سے زندہ دل بادشاہ کی دلچسپی کا سامان ہندوستان میں کچھ بھی نہ تھا۔ نہ دلفریب باغ تھے نہ دلربا چشمے تھے نہ علمی مدرسے تھے نہ ہوادار مکان تھے ہندوستان میں بابر کی بادشاہی کا قلیل زمانہ امن قائم کرنے کرنے ہی گزر گیا اس پر بھی اُس نے ان نقائص کے دور کرنے کی کوشش کی تھی دھولپور آگرہ گوالیار وغیرہ مقامات میں کثرت سے اس نے باغ اور حمام اور باؤلیاں بنوائیں آگرہ میں امرائے شاہی نے بھی لب جمنا دلفزا اور پرفضا باغ لگائے ہندوستانیوں نے یہ دلکش سماں کہاں دیکھا تھا اپنی حیرت ظاہر کرنے کو مغلیہ آبادی کا نام

کابل رکھ دیا، آگرہ، دھولپور، گوالیار، کول (علی گڑھ) وغیرہ میں ہر روز ۱۴۹۱
سنگ تراش شاہی عمارتوں میں کام کرتے تھے۔ گوالیار میں رحیم داد شاہی
حاکم نے ایک مدرسہ بھی بنایا تھا۔ اگر امن قایم کرنے کے بعد بابر کو اجل مہلت دیتی
تو جو کچھ اُس نے علمی جلوے بخارا و سمرقند میں دیکھے تھے اُن کی ایک جھلک ہندوستان
کو بھی دکھا دیتا۔ اس نے واقعات بابری میں ہندوستان کا یہ نقص بھی بتایا ہے
کہ یہاں کوئی مدرسہ نہیں ہے۔ ولایتی باغبانوں کو حکم دیا کہ آگرہ میں سرد ملک کے
خربوزے اور انگور بوئیں۔ ہندوستان کے دورے میں جہاں خوشنما پھول
نظر پڑ جاتا تھا، شاہی باغوں میں اس کو لے آتا۔ گوالیار کے میدان میں گل سرخ
آتشیں رنگ کا اور بیانہ سے نیلوفر لا کر شاہی باغ میں لگایا۔ خواجہ کلاں کو رانا سانگا
کی مہم سر کرنے کے بعد جو خط لکھا ہے اُس کے چند فقروں کا ترجمہ ہم لکھتے ہیں
ان فقروں کے سادے الفاظ میں بابر کی زندہ دلی کی ایک جھلک پائی جاتی
ہے: "ہندوستان کے معاملات اب سرانجام ہوتے جاتے ہیں یہاں سے فارغ
ہو کر اگر خدا راست لائے تو چلا آتا ہوں۔ اُس ملک کی لطافت کوئی کیسے دل سے
بھول جائے بالخصوص اب کہ میں تائب ہو گیا ہوں، خربوزے اور انگور کے
جائز حظ دل سے کیونکر جاتے رہیں۔ ابھی ایک خربوزہ لوگ اُدھر سے لائے
تھے میں نے کاٹ کر جو کھایا تو عجیب تاثیر کی اور میں بیساختہ رونے لگا۔"

بابر کو زہر دیا گیا

۹۳۳ھ میں اس نیک نہاد بادشاہ کو زہر دینے کی سازش کی گئی سلطان ابراہیم کے نعمت خانے کے چند باورچی بادشاہ کے واسطے ہندوستانی کھانے تیار کیا کرتے تھے سلطان ابراہیم کی ماں نے ان کو رشوت دیکر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ کھانے میں زہر ملا دیں۔ بادشاہ نے داروغہ مطبخ کو سخت تاکید کر دی تھی کہ ہندوستانی باورچیوں پر اعتماد نہ کیا جائے جس وقت دیگ تیار ہوا کرے پہلے کھانا باورچیوں کو چکھایا جائے اس ضابطہ کے سبب دیگ میں تو زہر نہ ڈال سکے لیکن کھانا نکالنے کے وقت کمبخت داروغہ غافل ہو گیا اور نمک حرام باورچی نے قاب کی تہہ میں زہر رکھ کر کھانا نکال دیا پہلے تو بادشاہ اور کھانا تناول کرتا رہا۔ جب اس زہر دار گوشت کا لقمہ لیا بے اختیار دل مالش کرنے لگا ضبط نہ ہو سکا اور وہاں سے اٹھ کر استفراغ کیا چونکہ کبھی شراب پی کر بھی اس نے استفراغ نہیں کیا تھا اس لئے شک ہوا اور فوراً حکم دیا کہ باورچی حراست میں لے لئے جائیں۔ گئے پر جو آزمائش ہوئی تو صاف کھل گیا کہ کھانے میں زہر تھا باورچی پر جب تشدد ہوا تو اس نے سب مجرم کھول دیا چاشنی گیر باورچی اور دو عورتیں ماخوذ ہوئیں دوسرے روز بابر نے سر دربار باضابطہ تحقیقات کی۔ چاشنی گیر کے پرزے پرزے کروا دئے باورچی کا پوست کھچوا لیا اور ایک عورت ہاتھی کے پاؤں کے نیچے

ڈلوائی گئی اور دوسری کے گولی مار دی گئی۔ والدۂ سلطان ابراہیم کا تمام اثاث البیت لٹوا دیا اور خود بی بی صاحبہ کو قید خانہ کی ہوا کھلائی۔ سلطان ابراہیم کے بیٹے کو صرف یہ سزا ملی کہ کامران کے پاس کابل بھیج دیا گیا۔ اُنیسویں صدی کے آئین انصاف کی رُو سے ان میں بعض سزائیں وحشیانہ معلوم ہوتی ہیں اور حقیقتاً وحشیانہ ہیں مگر بابر کی نسبت رائے ظاہر کرتے وقت ہم کو یہ امر نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ اس کا زمانہ آج سے ساڑھے تین سو برس پہلے تھا اس زمانہ کے دستور کے مقابلہ میں یہ سزائیں سراسر انسانیت پر مبنی معلوم ہوتی ہیں۔ اُس نے اگر سزائیں شدید دیں تو خاص مجرموں کو اور وہ بھی کامل تحقیق کرکے دوسرا بادشاہ تو مجرم اور اُن کے اہل و عیال سب ہی کو سزا اور شدید سزا کا ذائقہ چکھا کر اپنی قوتِ انتقام کو تسکین دیتا۔

رانا سانگا کی لڑائی

رفتہ رفتہ ہندی متمرد اُمراء رام ہو گئے۔ کچھ سختی سے کچھ نرمی سے راہ راست پر آ گئے۔ ان امراء کی طرف سے ہنوز اطمینان کلی نہ ہوا تھا کہ رانا سانگا کی سرگرم کوششوں کی خبریں گوش زد ہونے لگیں۔ رانا سانگا عجب دل و دماغ کا راجپوت سردار تھا۔ مسلمانوں کی سلطنت کے بعد سرزمین ہند نے ایسا شجاع اور بلند حوصلہ مدبر راجپوت پیدا نہیں کیا۔ مسلمانوں کی مذبذب حالت دیکھ کر اس نے یہ عزم

کر لیا تھا کہ "آریہ ورت" کو "ملیچھوں" سے پھر پاک کر دے۔ مالوہ کی خود مختار اسلامی
حکومت کے بڑے حصے پر اس نے اپنی تلوار کے زور سے قبضہ کر لیا تھا اور
اب اجمیر میواڑ اور مالوہ پر اُس کی حکومت تھی چتوڑ اس کی راجدھانی تھی اپنی
خداداد قابلیت سے اُس نے جودھپور، جے پور وغیرہ کے سات اعلیٰ راجاؤں
کو (جو کسی کے تابع ہو کر رہنا ننگ خیال کرتے تھے) اپنا مددگار بنا لیا اور وہ
اُس کے پھریرے کے نیچے لڑتے پھرتے تھے جن چھوٹی ہندو طاقتوں کو اس
نے متفق کر لیا ان کی تعداد ۱۰۰ تھی۔ کابل بابر کے پاس ایلچی بھیجا تھا کہ آپ
سلطان ابراہیم پر دہلی کی طرف بڑھیں میں آگرہ پر بڑھتا ہوں، اس طرح سلطان
کو زیر کر لیں گے۔ مرتے دم ہاتھ پاؤں، آنکھ کوئی عضو نہ تھا جس پر بہادری
کا تمغہ (زخم) موجود نہ ہو۔ تلوار اور نیزے کے اسّی زخم بدن پر تھے شاہ بابر پانی پت
کے معرکے سے فارغ ہو کر مسلمان امرا کے زیر کرنے میں مشغول رہا، اور رانا
کی طرف اس نے بالکل توجہ نہیں کی۔ رانا سانگا نے جب دیکھا کہ اس کا شکار
ہاتھ سے نکلا جاتا ہے خود بابر سے لڑنے کو تیار ہوا۔ بیانہ کے قلعہ (راج بھرت پور)
میں شاہی فوج کا ایک دستہ خواجہ مہدی کی کمان میں تھا خواجہ مہدی نے بادشاہ
کو آگاہ کیا کہ رانا سانگا بہت سرگرمی دکھا رہا ہے سب کو چھوڑ کر اس کی فکر
کیجئے یہ سنکر بابر نے بھی رانا سے لڑنے کا تہیہ کیا اور ہندوستانی امراء کو مہمول
پر ٹال کر ۹ جمادی الاول سنہ ۹۳۳ھ کو آگرہ روانہ ہو گیا۔ قاسم میر آخور کو بیلداروں

پیرا فسر کر کے آگے سے بھیجا کہ فوج کے پڑاؤ پر کوئیں کھدوا رکھے یہ بات ایکدم بھی
فراموش کرنے کے قابل نہیں ہے کہ دریائے سندھ سے ادھر بابر کی سپاہ میں
سب بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) آدمی آئے تھے سلطان لودی کی لڑائی اور آگرہ کی گرمی میں بھی
بارہ ہزار میں سے کام بھی آچکے تھے اس عرصے میں رانا نے آگے بڑھ کر یاخت
وتاراج شروع کر دی اور شاہی دستہ کو بیانہ کا قلعہ چھوڑ کر واپس آنا پڑا۔
ان لوگوں نے رانا کی چستی اور بہادری کی بہت تعریف کی انہیں روزوں
شاہی فوج کے قراول سے جس میں ڈیڑھ ہزار آدمی تھے راجپوتوں سے مقابلہ
ہوگیا۔ راجپوت بڑی بہادری سے لڑے اور تباہ کر کے شاہی قراول کو بھگا دیا
اسی اثناء میں کابل سے ایک قافلہ آیا جس میں بدبخت محمد شریف نجومی بھی تھا۔
سپاہیوں نے جو اس سے زائچہ دیکھنے کی فرمائش کی تو اس نے یہ کہا کہ مریخ
غرب میں ہے اس طرف سے جو لڑے گا شکست ہوگی ان جزئیات کے پے در پے
ظہور پذیر ہونے سے شاہی فوج کے دل ہراساں ہو گئے اور سپاہی اور افسر
سب کے ارادوں میں تزلزل پیدا ہو گیا۔ صرف بابر اور نظام الدین خلیفہ یہ
دو شخص تھے جن کا عزم درست اور رائے مستقل تھی۔

بابر نے شراب سے توبہ کی

سپاہ کی بے دلی سے بابر کو بہت اندیشہ ہوا اور فی الفور اس کے دفعیہ کی تجویز

کی مے نوشی سے تائب ہوا اور جتنے آلات سرور نقرئی و طلائی تھے سب توڑ کر
خیرات کر دیے۔ اس طرح جو جام و صراحی و مستی میں ذریعۂ عیش و سرور تھے
شکستہ ہو کر سرمایۂ حسنات بن گئے۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ بادشاہ کو تائب
دیکھ کر سینکڑوں نے اس اُم الخبائث سے توبہ کر لی۔ بابا دوست پچھلے ہی کاروا
میں غزنی کی نفیس شراب اونٹوں پر لاد کر لایا تھا بادشاہ دین پناہ نے حکم
دیا کہ نمک ڈال کر سرکہ بنا لیا جائے۔ توبہ کر کے اپنے تمام ممالک میں مسلمانوں کے
مال تجارت کا محصول معاف کر دیا۔

بادشاہ کی اسپیچ

سپاہیوں کا جوش ابھارنے کو اس نے سب کو جمع کیا اور یہ اسپیچ دی سنو!

اے امیرو! اور اے جوانو! ؎

ہر کہ آمد بجہاں اہل فنا خواہد بود
آنکہ پائندہ و باقیست خدا خواہد بود

جو آدمی مجلسِ حیات میں آکر بیٹھا ہے ایک روز اس کو پیمانۂ اجل پینا ہوگا اور
جو اس منزل زندگی میں آیا ہے ایک نہ ایک دن اس کو کوچ کرنا پڑے گا۔
پس بدنام جینے سے مرنا بہتر ہے ؎

بنام نکو گر بمیرم رواست   مرا نام باید کہ تن مرگ راست

(بابر)

خداوند تعالیٰ نے یہ لازوال سعادت ہم کو نصیب کی ہے اگر مر جائیں شہید ہیں اور اگر فتح پائیں غازی ہیں تو سب ملکر قسم کھائیں اور بھاگنے کے خیال کو دل سے نکالکر پھینکدیں جب تک جسم میں جان ہے ہاتھ لڑائی سے نہ رکے اس پُر اثر تقریر نے بہادروں پر بہت اثر کیا اور سب قسم کھا کر جانبازی پر مستعد ہو گئے پانی کے آرام کی وجہ سے فتح پور سیکری کا میدان پڑاؤ کے واسطے پسند کیا گیا۔ بابر نو بہاں رانا کے مقابلہ میں خیمہ زن تھا وہاں ہندوستانی امراء نے میدان خالی پاکر خوب ہاتھ پاؤں نکالے۔ کول (علی گڑھ) سنبھل، گوالیار سب جگہ ایک فتنہ برپا ہو گیا اور شاہی لشکر میں روزانہ کوئی نہ کوئی متوحش خبر ضرور آتی تھی۔ بادشاہ جو سپاہ میدان جنگ میں لایا تھا وہ کل بیس ہزار تھی ان بیس ہزار سپاہیوں میں اس کے کار آزمودہ مغل اور ہندوستان کی نئی بھرتی کے سپاہی دونوں شامل تھے۔ ہندوستانی امیروں کی شورش کا حال سنکر نو خیل اکثر کھسکنے لگے جیں حریف کے مقابلہ کو یہ قلیل لشکر آیا تھا اس کی فوج پر ایک سرسری نظر مناسب مقام ہو گی۔ رانا کا جرار لشکر ذاتی اور امدادی فوجوں پر شامل تھا۔ خود رانا کی معرکہ دیدہ فوج اسی ہزار تھی امدادی فوج ذیل کے مطابق تھی صلاح الدین والی سارنگ پور مالوہ کی فوج تیس ہزار حسین خاں حاکم میوان کی فوج بارہ ہزار محمود خاں ولد سلطان سکندر لودی کی فوج دس ہزار راول اُدے سنگھ راجہ ڈونگر کی فوج تیرہ ہزار بہار مل راجہ جے پور کی فوج چار ہزار میدنی رائے والی چندیری کی فوج بارہ ہزار نربت ہاڑا راجہ بوندی کی فوج سات ہزار

اوران راجوں اور مہاراجوں کی فوج کے علاوہ تینتیس ۳۳ ہزار فوج رانا بنی ہزار کل فوج دو لاکھ بابر نے اپنے تخمینہ اوران راجوں اور سرداروں کی ملکی آمدنی کے حساب سے رانا کی مجموعی فوج کا اندازہ دو لاکھ کیا ہے۔ ممکن ہے یہ تخمینہ غلط ہو لیکن اگر نصف تا بھی صحیح ہے تو شاہی منچلوں کو اپنے پچگنے آدمیوں سے زور آزما ہونا تھا۔ رانا سانگا اگرچہ کاہل اور عیاش شاہان ہند کو نیچا دکھا چکا تھا اور اس واسطے عجب نہیں کہ اس نے اپنے کو کل ہندوستان کا مہاراجہ خیال کر لیا ہو لیکن اب جو سپہ سالار اس سے جنگ آزما تھا اس کی حالت ہند کے بادشاہوں سے کلیتہً مغایر تھی۔ اس نے قانون حرب تاتاریوں اور اوزبکوں کے اکھاڑوں میں سیکھا تھا۔ لڑکپن اور جوانی میدان جنگ میں بسر کر دی تھی اور اس کی تمام انشگاف شمشیر کے جوہر ترکستان سے ہندوستان تک عیاں ہو چکے تھے۔ ہندوستانی بادشاہوں پر اس کو قیاس کرنا بیجا تھا۔ بادشاہ بابر کی یہ اخیر لڑائی ہے اس لئے اسلحہ اور ترتیب افواج کو کسی قدر بسط سے ہم بیان کرتے ہیں تاکہ ناظرین پا تمکین پر اس زمانہ کے فنون جنگ کی کیفیت منکشف ہو جائے بابر کی فوج تلوار، تیر، کمان، نیزہ اور کارد سے مسلح تھی ترکوں کی تقلید پر بندوق اور توپ کا استعمال بھی شروع ہو گیا تھا بندوقچیوں کا ایک خاص گروہ تھا جو ارابوں کی آڑ سے غنیم پر فیر کرتا تھا توپ اگرچہ آج کل کی توپوں کے دیکھتے قابل مضحکہ تھی مگر تاہم کچھ تھی پتھر کا گولا اس میں پڑتا تھا اور ایک میدان جنگ میں ایک توپ

سے بیس پچیس گو سلے چل جاتے تھے۔ ایک دفعہ بادشاہ نے امتحان کا حکم دیا تو سولہ سو[1600] قدم توپ کا گولا گیا تھا۔ ایک مرتبہ گنگا میں دو کشتیاں بھی توپ سے ڈبو دی گئی تھیں۔ استاد علی قلی اور مصطفیٰ رومی دو ترکی بہادر توپ خانہ پر افسر تھے استاد علی قلی توپ ڈھال بھی لیتا تھا۔ ۱۳ جمادی الآخر ۹۳۳ھ ہجری کو علی الصباح معلوم ہوا کہ رانا حملہ کیا چاہتا ہے۔ بابر نے بھی اپنی فوج کو آگے بڑھا لیا اور موضع خانوہ (راج بھرت پور) کے میدان میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ نظام الدین خلیفہ نے شاہی فوج کو تورہ چنگیز خاں کے رو سے مرتب کیا تھا غول یعنی قلب میں خود بادشاہ تھا اس کے دست راست پر ایک دوسرا حصہ فوج کا تھا اس حصہ پر چین تیمور سلطان سلیمان شاہ (جو بدخشاں کا بادشاہ ہوا) وغیرہ آٹھ نامور امیر تھے اور دست چپ پر دوسرا حصہ تھا۔ اس پر علاؤالدین بن سلطان لودی اور شیخ زین خوانی (دبیر بادشاہ) وغیرہ سات سردار متعین تھے یہ دونوں حصے غول کے بازو تھے غول کے دست راست پر برانغار (فوج کا بازوئے راست) تھا اس کی کمان شاہزادہ محمد ہمایوں قاسم حسین عیر ذالک سترہ امیروں کے سپرد تھی اور غول کے دست چپ پر جرانغار (فوج کا بازوئے چپ) تھا۔ اس بازو پر مہدی خواجہ محمد سلطان میرزا وغیرہ (بارہ) افسر تھے سلطان محمد بخشی کچھ سپاہیوں کو لئے بادشاہ کے قریب کھڑا تھا یہ احکام شاہی سنتا تھا اور اپنے ماتحتوں کے ذریعے سے فوج کے افسروں کو آگاہ کرتا تھا۔ جو انغار کی سمت میں تولغمہ فوج

کا ایک اور حصہ تھا جس پر ملک قاسم اور رستم ترکمان وغیرہ چار افسر حاکم تھے یہ حصہ اس احتیاط سے تھا کہ جس حصے پر دشمن کا زور زیادہ ہو اس کی مدد کرے تمام فوج پچاس کار آزمودہ افسروں کے چارج میں تھی۔ جب سب سپاہ قرینہ ہو چکی تو فرمان شاہی صادر ہوا کہ کوئی افسر بے اجازت اپنی جگہ سے جنبش کرے اور نہ بے حکم لڑے۔ ۹ بجے دن کو لڑائی شروع ہوئی۔ ابتداءً ہندوؤں کا زور برانغار پر تھا۔ بادشاہ نے چین تیمور کو حکم دیا کہ اس کی مدد کرے چین تیمور حملہ کرکے ہندوؤں کو ان کے قلب تک ہٹا لے گیا۔ مصطفیٰ رومی نے برانغار سے باڑ مارنی شروع کی۔ عین معرکہ میں تین برانغار کے اور تین جوانغار کے افسروں کو حکم پہنچا کہ مصطفیٰ رومی کا ہاتھ بٹائیں ہندو بتدریج بڑھتے جاتے تھے چار برانغار کے اور تین جوانغار کے افسر یکے بعد دیگرے ان کی کمک کو بھیجے گئے۔ تولغمہ نے حسب فرمان ہندو فوج کی پشت پر حملہ کیا۔ سیلاب جنگ پورے جوش پر تھا اور لڑائی بہت طول پکڑ گئی تھی کہ غول کے ایک حصے کو حکم ہوا کہ ارابوں سے نکل کر بندوقچیوں کا سامنا بچا کر دائیں بائیں سے حملہ کریں۔ کچھ عرصے کے بعد بادشاہ نے ارابے علیحدہ کرا کے خود حملہ کیا۔ بادشاہ کو حملہ کرتے ہوئے دیکھ کر اسلامی لشکر میں ایک تازہ ولولہ پیدا ہوا اور انتہائے جوش سے دشمن پر وار کرنے لگے عصر کے بعد تک لڑائی پورے جوش پر تھی اور کسی فریق کے چہروں پر غلبہ کی بشاشت نہیں پائی جاتی تھی۔ آخر ۸ گھنٹہ کی خونریزی کے بعد غروب کے قریب رانا کا خورشید

اقبال زوال پذیر ہونے لگا۔ اپنی مغلوبیت دیکھ کر بہادر راجپوتوں نے پھر جی توڑ کر قسمت آزمائی کی اور یہ ہنگامہ واقعی بہت خطرناک تھا۔ تھوڑی دیر میں دلاوران مغل نے یہ مسرت خیز تماشا دیکھا کہ میدان سے راجپوتوں کے قدم اُٹھ گئے۔ رانا خود بصد دشواری جان بچا کر میدان سے نکل گیا۔ اور اُسی سال فرط رنج و غضب سے عدم کی راہ لی۔ حسن خاں میواتی اودے سنگھ ناک چند چوہان اور اور نامی دلاور میدان جنگ میں ہاتھ پاؤں پٹک کر سرد ہوگئے۔ شیخ زین خوانی نے فتح بادشاہ اسلام ۹۳۳ھ تاریخ کہی ہے اور حسن اتفاق کہ کابل سے میر گیسو نے جو رباعی بھیجی اُس کا مادۂ تاریخ بھی یہی تھا۔ شاہ سخن سنج نے دونوں تاریخ گویوں کی تسلّی کر دی کہ صرف مادۂ تاریخ لے لیا۔ یہ فتح تاریخ ہندوستان میں بہت نمایاں اور شاندار ہے۔ اس کی کامیابی پر خیال کرنا چاہئے کہ سلطنت مغلیہ کی بنیاد ہندوستان میں جمی۔ بابر کی فوج بہت کم تھی اور رانا کا لشکر کثیر اور آزمودہ کار تھا۔ فوجی انتظام اور ضبط امرائے کارداں کی کثرت اور خود اپنی ۴۴ برس کی مہارت جنگ سے بابر غالب آیا۔ اگر یہ اسباب نہ ہوتے تو رانا کے کامیابی میں بہت کم شبہ تھا۔ اس میدان کو جیت کر بادشاہ نے غازی کا لقب اختیار کیا۔ محمد شریف بھی مبارکباد کو حاضر ہوا اول تو بابر نے بہت ملامت کی، لیکن پھر ایک لاکھ روپئے دیکر اپنی عملداری سے باہر نکال دیا۔ رانا سانگا سے میدان فتح کرکے بابر نے اس کے مددگار میدنی رائے پر حملہ کیا اور چندیری چند روز کے محاصرے میں لے لی۔ چندیری پر کامیاب ہوکر

بیانہ پر یورش کی اور اس کو بھی ممالک محروسہ میں شامل کر لیا۔ امن قائم کر کے ملک کا دورہ کیا اور گوالیار، کول، دھولپور، اٹاوہ وغیرہ کا ملاحظہ کیا۔ آگرہ سے کابل تک پیمائش کا حکم دیا اور محکمۂ پیمائش کو یہ ہدایت کی کہ ہر ۹ کوس پر ایک منارہ ۲۵ گز اونچا بنایا جائے اور ہر منارہ پر ایک چار درہ ہو ہر دس کوس پر گھوڑے ڈاک چوکی کے مقرر کئے جائیں، اگر خالصہ شاہی میں ہوں تو سائیس کی تنخواہ اور گھوڑوں کا دانہ چارہ خزانہ سے ملے ورنہ جس امیر کی جاگیر میں ہوں اس کے ذمہ رہے۔ اسی سال شاہ غازی نے آگرہ میں باغ کا دربار کیا تمام شاہی امرا اور سلطنت صفویہ اوزبک اور ہندو راجاؤں کے سفیر باریاب ہوئے۔ سب نے نذریں پیش کیں نذروں کے بعد خاصہ لایا گیا خاصے سے فارغ ہو کر بادشاہ نے مست ہاتھی اور اونٹوں کی لڑائی مشاہدہ کی۔ پہلوانوں کی کشتی ہوئی جس نے اپنے حریف کو پچھاڑا اس کو انعام ملا۔ ہندوستانی بازی گروں نے بھی خوب خوب تازہ کرتب دکھائے۔ تمام مستحقین کو خلعت عطا ہوئے۔

بنگالہ کا فساد

بنگالہ میں سلطنت لودی کے بقیہ اجزا نے وہاں کے حاکم سے مل کر ایک فساد برپا کیا اور چنار ضلع میرزا پور کے قلعہ پر دھاوے کی دھمکی دے رہے تھے بادشاہ خود ان کے استیصال کے واسطے لشکر لے کر گیا اور ان کو شکست پر شکست دیتا ہوا

حاجی پور (بہار) تک چلا گیا۔ حاجی پور میں دشمن کے استیصال کی فکر میں تھا کہ بنگالہ
کی مہیب برسات شروع ہوگئی۔ افغانی سردار بہت تنگ آگئے تھے۔ بارش کو اُس
نے رحمت سمجھا اور صلح کی تحریک کی بادشاہ کو برسات نے صلح پر مجبور کیا اور صلح کرکے
آگرہ واپس آیا۔ اثنائے راہ میں لشکر کنارے کنارے گنگا کے کوچ کرتا تھا اور بادشاہ
خود سیر دریا کا لطف اُٹھاتا کشتی میں آتا ایک روز دور سے کچھ درخت نظر آئے بادشاہ
نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ منیر ہے۔ بادشاہ کو شیخ یحییٰ منیری کے مزار کا شوق ہوا
گھوڑے پر سوار ہوکر منیر گیا اور فاتحہ پڑھ کر ادھر اُدھر سیر کرتا ہوا اُردوی شاہی
سے آملا۔ حساب کیا گیا تو تیس کوس گھوڑے پر اُس روز سوار ہوا تھا اور
اس تیزی سے آیا گیا کہ اکثر فربہ اندام گھوڑے تھک کر رہ گئے بابر برسات کے
اندیشے سے افغانی اجزا کو منتشر کرکے چلا آیا تھا۔ ان کی قوت بالکلیہ زائل نہیں
ہوئی تھی۔ یہی افغانی ہیں جو ہمایوں بادشاہ پر مصیبت کا بادل بنکر رہے۔ ۱۹ شوال
۹۳۵ھ ہجری کو بادشاہ آگرہ میں واپس آیا۔ اکبرآباد میں زندہ دل بادشاہ کو
دو باتوں سے بہت مسرت حاصل ہوئی اور یہ ایسی مسرتیں تھیں جن کو وہ ہندوستان
میں ترس گیا تھا اول لمجی پالیز کار داروغہ باغ ہشت بہشت نے خربوزے اور
انگور کے چند خوشے لاکر پیش کئے۔ خربوزوں کی فصل اگرچہ گذر چکی تھی مگر سلیقہ شعار
پالیز کار نے کچھ پھل اپنے آقا کے واسطے لگا رکھے تھے اپنے دور دراز وطن کی
اس یادگار کو دیکھ کر بابر بہت خوش ہوا۔ واقعات بابری میں لکھا ہے کہ از جہت

خربوزہ وانگورہ شدن درہندوستان فی الجملہ خورسندی شد"۔ دوسری مسرت یہ
تھی کہ بادشاہ کی عزیز بیگم، ماہم بیگم کابل سے آئی مدت سے پنجاب وغیرہ کے
صوبہ داروں کی پیشوائی اور دیگر جزئیات کے متعلق فرمان نافذ ہو چکے تھے بادشاہ
کے آگرے پہنچنے کے دوسرے روز وہ بھی مع الخیر وہاں آ پہنچی یہ بیگم بادشاہ
کو نہایت عزیز تھی، بابر کے دل کو بعض بدمزاج بیویوں کے اخلاق سے جو صدمے
پہنچے تھے ماہم بیگم نے اپنے سلیقہ اور تمیز سے وہ سب صدمے بھلا دئے تھے ہمایوں
اور ہندال اسی بیگم کے بطن سے تھے۔ کابل سے جب روانہ ہونے لگی تو اپنے ہاتھ
سے شاہانہ طرز پر ایک فرمان حاکم پنجاب کو لکھا کہ فلاں تاریخ سرحد پر ہمارے خیر مقدم
کے واسطے حاضر رہنا دلّی میں پرانے قلعہ کے پاس ایک مدرسہ اور مسجد ہے جو ماہم کا
مدرسہ مشہور ہے مسٹر بیل نے لکھا ہے کہ یہ مدرسہ اور مسجد ماہم بیگم بابر بادشاہ کی بیوی
کی تعمیر کردہ ہے شاہ جلال الدین اکبر کی انّا کا نام بھی ماہم بیگم تھا یہ مدرسہ[1] اور مسجد
ہماری رائے میں اس ماہم کی بنائی ہوئی ہیں نہ ماہم بیگم بابر شاہ کی بیوی کی۔
اس مدرسہ پر یہ تاریخ کندہ ہے ؎

بدوران جلال الدین محمّد	کہ باشد اکبر شاہانِ عادل
چو ماہم بیگم عصمت پناہی	بنا کرد ایں بنا بہر افاضل
ولی شد ساعی ایں بقعۂ خیر	شہاب الدین احمد خان باذل

---

[1] دیکھو تاریخ فرشتہ احوال شاہ اکبر اور آثار الصنادید حال مدرسہ ماہم بیگم ۱۲

زہے خیریت ایں قطعۂ خیر　　　کہ شد تاریخ او خیر منازل
۹۷۶ھ

اس قطعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ اکبر شاہ کے عہد میں بنایا گیا۔ جہاں تک میری نظر تاریخ پر ہے معلوم نہیں ہوتا کہ ماہم بیگم اکبر کی دادی اس کے عہد میں زندہ تھی، البتہ مریم مکانی اُس کی والدہ عہد اکبری میں حیات تھی قطعہ کا تیسرا مصرعہ صاف کہہ رہا ہے کہ شہنشاہ عصر کی دادی کے متعلق یہ بیان نہیں ہے کیونکہ صرف "عصمت پناہی" یہ دو لفظ اتنی والا مرتبہ بیگم کی شان کے مناسب نہیں، بلکہ ایک معزز شریف زادی کے شایاں ہیں شہاب الدین احمد خاں نیشاپوری جس کا اس تاریخ میں حوالہ ہے اکبر شاہ کی انا ماہم بیگم کا عزیز تھا! اس کے اہتمام سے بننا بھی ہمارے مدعا پر قرینہ ہے۔

بابر کی وفات

بیگمات کے آنے پر ڈیڑھ سو کہاروں کو مزدوری دیکر کابل بھیجا کہ وہاں سے میوہ لائیں رجب ۹۳۶ھ میں بادشاہ پر بیہوشی طاری ہوئی مرض روز بروز اشتداد پکڑتا گیا۔ ہم کو نہیں معلوم کہ کیا مرض بہانہ موت ہوا۔ بہر حال معالجہ سے کچھ نفع نہیں ہوا۔ مرض کی سختی آنے والی اجل کی پیشین گوئی کرنے لگی بادشاہ نے ہمایوں کو کالنجر (ملک پنجاب) کے محاصرہ سے بلا کر ولیعہد کیا۔ پیر کے دن جمادی الاول ۹۳۷ھ کی پانچویں کو ہادم اللذات کی ساعت آپہنچی اور شاہ ظہیر الدین محمد بابر غازی جو فرغانہ میں پیدا ہوا اور مدتوں بدخشاں کے کوہستان میں سرگرداں رہا تھا اگرچہ

ہیں اس حیثیت سے عالم بالا کو گیا، کہ دریائے جیحون سے لیکر دریائے گنگا کے
نشیب تک ملک اس کے زیر نگیں تھا ؎
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا
مرتے دم وصیت کی کہ لاش کابل بھیجی جائے اور اگر اذبکوں کا اندیشہ نہ ہوتا
تو وہ بالضرور اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہونے کی وصیت کرتا ایسے اولوالعزم
بادشاہ کی لاش کو بھی بالضرور صدہا میل طے کر کے آرام لینا مناسب تھا اور
بابر سے زندہ دل کی قبر کے واسطے بھی سبزہ زار کابل سزاوار تھا۔ وفات کے بعد فردوس
مکانی اس کا لقب ہوا اور "بہشت روزی باد" تاریخ وفات ہے چند روز اس کی لاش آگرہ
میں نور افشاں باغ میں (جو اب آرام باغ مشہور ہے) امانت رہی وہاں سے لیجا کر
کابل کے قدم گاہ رسول میں دفن کی۔ اس کے پڑ پوتے شاہجہاں بادشاہ نے اپنے
نامور مورث کے احترام کے واسطے قبر پر نفیس سنگ مرمر کا مقبرہ بنوا دیا۔ یہ ہیں نامور بابر
کی موت و زندگی کے مختصر احوال جو ہم نے اوپر بیان کر دئے لیکن ابھی کچھ اور کہنا
اور بیان کرنا باقی ہے اس تصویر میں بابر کے چند اندرونی صفات کی جھلک معلوم
ہوتی ہے کچھ صفات کی جھلک اس بیان سے ہویدا ہوگی۔

علم و تحقیق

بابر نے انچاس برس کی عمر میں انتقال کیا بارہ برس کی عمر میں تخت نشین ہوا
اور تخت و تختہ کے مابین ۳۷ برس کا زمانہ ہے یہ ۳۷ برس راحت بازحمت سے

جس طرح بسر ہوئے آپ نے دیکھ لیا یہ ماجرا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ گیارہ برس کی عمر سے ۴۷ برس کی عمر تک ایک جگہ متواتر دو عیدیں نہیں کیں۔ بالفاظ دیگر سال بھر کسی مقام پر چین سے نہیں بیٹھا علم اور کمال سے کچھ ازلی مناسبت تھی اور مبدٔ فیاض سے ذوقِ سلیم عطا ہوا تھا ان ملکی افکار اور تشویشوں میں بھی علم کی طرف ایک خاص توجہ رہی ابتدائی زمانہ میں بہت کم فراغت حاصل ہوئی جو طالبعلمانہ تحصیل علم کرتا۔ لیکن متواتر توجہ نے اس کے واسطے علمی شان بھی حاصل کر لی۔ فقہ حنفی میں اس کو خاص مہارت حاصل تھی محمد قاسم فرشتہ کا یہ اعتقاد ہے کہ "وہ مجتہدانہ قوت رکھتا تھا"۔ ترکی نظم میں ایک فقہ کی کتاب لکھی ہے جس کا نام مثنوی مبین ہے واقعات بابری میں کچھ اشعار اس کے نقل کئے ہیں۔ بابر کی مادری زبان چغتائی ترکی تھی۔ ترکی میں اشعار بہت کہے ہیں اور واقعات مذکور میں جابجا کثرت سے درج ہیں۔ مگر افسوس عدم قابلیت کے سبب ہم ان کی نسبت کچھ کہہ نہیں سکتے اپنے سوانح ابتدائی تخت نشینی سے آخر عہد تک اسی زبان میں قلمبند کئے تھے۔ محمد قاسم فرشتہ کہتا ہے کہ "بنوعی نوشتہ کہ فصحا قبول دارند"۔ عبدالرحیم خانخاناں نے اپنے آقا اکبر شاہ کی فرمائش سے اس کا ترجمہ فارسی میں کیا۔ جو واقعات بابری کے نام سے مشہور ہے اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں لکھی گئی ہے۔ الحق کہ نہایت راست بازی اور حق پرستی سے اس کتاب کو لکھا ہے اس کے راستباز قلم نے نہ بابر کے باپ کے عیوب چھپائے ہیں اور نہ اس کے جانی دشمنوں کے ہنروں سے چشم پوشی کی ہے ہم نے اوپر بابر کی رائے اس کے باپ کی نسبت لکھی ہے اس سے اس کی آزادی رائے کا اندازہ

ہو سکتا ہے جس بحث کا پہلو آپڑا ہے نہایت بسط اور تحقیق سے اُس میں صفحے کے صفحے لکھ دیئے ہیں۔ ہندوستان کے بیان میں ۴۴ صفحے لکھے ہیں یہاں کے حیوانات، نباتات، رسوم وعادات، سب باتوں سے بحث کی ہے اور جو کچھ لکھا ہے شاید کوئی ہندوستانی بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ بات غلط لکھی ہے۔ انگریزی میں بھی اس کے دو ترجمے ہوئے ہیں اور مسٹر ہیل کی شہادت کے مطابق تمام عالم نے اس کتاب کی تعریف کی ہے۔ خواجہ مولینا اُس کے استاد کی تربیت سے سلامت روی وسادگی کا ایک مادہ پیدا ہو گیا تھا اور یہی دو صفتیں ہیں جو طالب کو اپنے مقصود میں کامیاب کر سکتی ہیں۔ ماوراء النہر اور خراسان کا ہر شہر و قریہ اُس وقت علمی کیفیت اور کیفِ کمال سے سرشار ہو رہا تھا بابر جہاں گیا خواہ کسی حال میں تھا اہلِ کمال سے ضرور مستفید ہوا۔ کسی بات کو محض رواج اور تقلید کی بنا پر وہ کبھی تسلیم نہیں کرتا تھا۔ تاتاری مغلوں کی تاریخ جن صاحبوں نے پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ اپنے پیشیر و چنگیز خاں کے قواعد کو احکام الٰہی سے بھی زیادہ واجب العمل خیال کرتے تھے۔ اہم امور در کنار نشست و برخاست، خورد و نوش میں بھی انہیں قواعد کے پابند تھے۔ بابر کہتا ہے کہ "ہمارے باپ اور بھائی تورہ چنگیز خاں کی نہایت ہی رعایت کرتے ہیں۔ تورہ چنگیز خانی کوئی آیتہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ اُس پر عمل کیا جائے۔ جس کسی نے اچھی بات نکالی ہو اس پر عمل کرنا چاہیئے اگر باپ نے کوئی روش بد جاری کی ہو اُس کو نیکی سے بدل دینا چاہیئے"۔ جب وہ غزنی آیا تو لوگوں نے کہا کہ یہاں ایک مزار ہے جس پر درود پڑھنے سے قبر جنبش کرنے لگتی ہے

بابر وہاں گیا اور درود جب پڑھی گئی تو قبر واقعی متحرک محسوس ہوئی جب تفتیش کی تو سمجھ گیا کہ مجاوروں کا فریب ہے۔ قبر پر ایک جھولا سا باندھ رکھا تھا ایک مجاور پیچھے سے اس میں گھس جاتا تھا، جھولا ہلتا تھا لوگ خیال کرتے تھے کہ قبر ہلتی ہے۔ جیسے ہل کشتی کو کنارہ چلتا نظر آتا ہے بابر نے مجاوروں کو اس حرکت شنیع سے منع کر دیا۔ فارسی شعر سے بھی ایک خاص لگاؤ تھا خود بھی کم کم کہتا تھا، لیکن جو کچھ کہتا تھا دلنشیں اور صاف ہوتا تھا۔ قلعہ بیانہ کے حاکم کو ایک فرمانِ استمالت بھیجا اُس میں یہ شعر فی البدیہہ ورج ہے

با ترک ستیزہ مکن اے میر بیانہ	چالاکی و مردانگی ترک عیانست
ور زود نیائی و نصیحت نکنی گوش	ہر جا کہ عیانست چہ حاجت بہ بیانست

محمد قاسم فرشتہ نے یہ شعر بابر کے نام لکھا ہے ؂

با زآئے اے ہمائے کہ بے طوطیٔ خطت

نزدیک شد کہ زاغ برد استخوانِ من

مگر یہ غلطی ہے بابر نے یہ شعر خود حسن یعقوب کا بتایا ہے۔ خواجہ آصفی کے کلام کی نسبت اس نے یہ ریمارک کیا ہے "شعراو از رنگ و معنی خالی نیست اگرچہ از عشق و حال بے بہرہ است"۔ اگر کوئی مشتاق شعر فہم خواجہ آصفی کے کلام پر رائے ظاہر کریگا تو اس بیان سے شاید متحد الرائے ہوگی۔ فن عروض میں بھی خوب ماہر تھا۔ ترکی کا ایک شعر کہا ہے جو پانسو چار وزن میں تقطیع ہو سکتا ہے۔ اس مبحث پر ایک رسالہ علیحدہ اس نے لکھا ہے فنِ موسیقی میں بھی کامل تھا خوب سمجھتا تھا۔ اپنے معاصر موسیقی دانوں کی لیاقت نکتہ سنجی سے بیان کی ہے۔ اور جس شعبہ میں فائق تھا یا

جس میں جو نقص تناسب بیان کرتا ہے۔ بہزاد مشہور مصور کی تصویر میں بعض نقص
ظاہر کئے ہیں۔ یہ مصور بابر کا ہمعصر تھا۔ خط بھی نہایت پاکیزہ تھا اور بالکل خوشنویسی
کے وقت خوشنویسانہ انداز ہوتا تھا۔ مسطر اپنے ہاتھ سے بناتا تھا۔ ایک شب کو
بنگالہ سے پلٹتے وقت باد و باراں کا طوفان اٹھا اور تمام خیمے سربسجود ہوگئے
بابر اپنے خیمے میں بیٹھا لکھ رہا تھا کہ خیمہ اس پر آرہا لیکن کچھ ضرر نہیں پہنچا اوراق
پریشان اور پانی میں سرابور ہوگئے۔ بادشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے لکھے کئے
اور چارپائی کے نیچے رکھ کر اوپر سے کمل ڈال دیا جب بارش موقوف ہوئی تو
ان کو نکالا اور صبح تک آگ سے خشک کرتا رہا بابر میں یہ صفت تھی کہ جس بزم
میں ہوتا تھا ایسی ہی معلوم ہوتا تھا کہ گویا اسی کے لئے موزوں ہے۔ دربار میں
بادشاہ جنگ میں سپہ سالار اور بزم میں ایک یار باش ندیم۔ محمد قاسم فرشتہ
نے اس کے علم کی نسبت یہ لکھا ہے "در علم فقہ حنفی مجتہد بود و در علم موسیقی و شعر
انشار و املا نظیر نداشت۔ وقائع سلطنت خود را در ترکی بنوعی نوشتہ کہ فصحا قبول دارند"

امرائے شاہی

بابر نے اس جہان میں جو کچھ ترقی و عروج حاصل کیا وفادار بلند حوصلہ اور
دانشمند امراء کی مدد اور سعی بھی اس کے واسطے ایک زینہ تھی وقت پر کار بہادر
سپہ سالار تھے امن کے زمانہ میں دانا مشیر اور صلاحکار اور مصیبت میں یار غمگسار۔

امراء کا ایک چیدہ گروہ تھا جن کو اس زمانہ کے محاورہ میں کونسل کہنا چاہئے۔ جنگی اور ملکی سب معاملات اس کونسل میں بحث کے بعد نفاذ پذیر ہوتے تھے۔ اکثر مباحثوں میں مشیروں کی رائے بادشاہ کے خلاف ہوتی تھی۔ اور بادشاہ کو ان کی رائے ماننی پڑتی تھی۔ بعد مغرب یہ کونسل جمع ہوا کرتی تھی اور قابل غور امور زیر بحث لائے جاتے تھے۔ دربار سے علیحدہ بابر کا برتاؤ اپنے امیروں سے محض یارانہ تھا۔ شاہی مے پرستی کے جلسوں میں وہ بے تکلف شریک ہوتے تھے۔ بابر ان کی دعوتوں میں جاتا تھا۔ کبھی دعوت افطار ہوتی تھی اور کبھی بزم نشاط کا سامان ہوتا تھا۔ اکثر اس کے سرداروں نے اس سے بغاوتیں کیں مگر وہ کبھی درپئے آزار نہیں ہوا اور ہمیشہ ان کی لغزشوں کو عفو کرتا رہا۔ یونس علی عبداللہ کتاب دار، قاسم حسین، محمد علی، شاہ منصور برلاس، درویش محمد نظام الدین خلیفہ، خواجہ کلاں امرا میں زیادہ سربرآوردہ تھے۔ ایک مرتبہ خواجہ کلاں کو باجوڑ کا حاکم کرکے بھیجا تھا۔ چند روز کے بعد مفارقت شاق ہوئی اور یہ شعر تصنیف کرکے اس کو لکھ بھیجے ؎

قرار و عہد بیاراں چنیں نبود مرا | گزید ہجر و مرا کرد بے قرار آخر
بعشوہائے زمانہ چہ چارہ سازد کس | بجور کرد جدا یار را ز یار آخر

عیش و نشاط

بابر ابتدائے شباب میں بہت زاہدانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ مشتبہ کھانے سے قطعاً پرہیز تھا اور اس قدر بیحد احتیاط تھی کہ دسترخوان چھری وغیرہ کھانے کے متعلقات پر بھی خاص نظر رہتی تھی۔ یہ خواجہ مولینا کے انفاس قدسی کا اثر تھا باپ نے اس کو شراب پینے کی ترغیب دی لیکن اس نے نہیں مانا۔ آخر خواجہ مولانا جن کے فیض صحبت کی برکت تھی شہید ہوگئے اور بابر کو ہوائے نشاط لے اڑی۔ ۲۳ برس کی عمر میں ڈاڑھی استرے کے نذر کر دی اور گویا عیش کی اسٹیج پر آنے کے لئے روپ بدل لیا۔ دختر رز کے عشوے بھی اس کو اپنی طرف مائل کرنے لگے مگر بے تحریک اتنی جرأت نہ تھی۔ تحریک کون کرے۔ ہرات جانے تک تائب تھا۔ ہرات کی سوسائٹی اس وقت عیش و عشرت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میزبان شہزادوں نے اس سے بھی بادہ نوشی کی فرمائش کی۔ اس نے ہاتھ بڑھایا۔ لیکن پھر کھینچ لیا۔ ہم کو معلوم نہیں پھر کہاں اس نے جام ارغوانی لب سے لگا لیا۔ کابل میں ہم اس کو اس رنگ میں دیکھتے ہیں کہ ایک دلفریب سبزہ زار میں سنگ مرمر کا ایک حوض شراب کابلی سے بھرا ہے اور گرد یہ شعر کندہ ہے ؎

نوروز و نو بہار و مے و دلبرے خوش است
بابر بعیش کوش کہ دنیا دوبارہ نیست

زنان پری پیکر اور ساقیان گل اندام ساقی گری اور غارت ہوش پر کمر بستہ ہیں۔ بابر اپنے یاران باصفا کے حلقہ میں بے تکلف بیٹھا اس دلکش سماں میں محو ہو رہا ہے

ایک جانب مطرب خوش نوا مخدوم حافظ شیراز کا یہ شعر بانگ تیز گا رہا ہے ؎

اے خوش آں روز کہ بے پاؤ سر آئیم چند ساکن گلگشتہ[١] بودیم بہ بدنامے چند

کسی سمت سے یہ روح پرور صدا آ رہی ہے ؎

بخور در ارکِ کابل مے بپیما بادہ پے در پے کہ ہم کوہ است و ہم دریا و ہم شہر است و ہم صحرا

بابر کے یہ ایک عیش کا نمونہ ہے کابل کے بہارستان میں یہ لطف اس نے خوب اٹھایا۔ کبھی درخت چنار کے نیچے دور چلتا تھا اور کبھی شفاف چشمے میں کشتی پر بادہ پیمائی ہوتی تھی۔ ایک روز ایک قاضی صاحب کا مکان بزم کے واسطے پسند ہوا اور تمام سامان نشاط قرینے سے لگا دیا گیا۔ قاضی صاحب بہت گھبرائے مگر کیا کریں بادشاہ تھا۔ اگر کوئی بیچارہ غریب ہوتا تو کب کے درّے پڑ گئے ہوتے آخر جرأت کر کے کہا کہ اس مکان میں کبھی ایسا ہوا نہیں آیندہ اختیار ہے۔ بابر بھی سمجھ گیا اور فوراً حکم دیا کہ سب سامان وہاں سے اٹھ جائے۔ بابر ان جلسوں میں ایک سادہ دل رند کی وضع پر شریک ہوتا تھا آداب شاہی و آداب سلطنت کا کہیں ڈھونڈے نشان نہیں ملتا تھا۔ ایک روز اپنے ایک امیر کے ساتھ شغلِ مدام کو دل چاہا۔ گھوڑے پر چڑھ کر اکیلا چل دیا۔ یہ امیر حد درجہ کا قلاش تھا اور بادشاہ بھی اس کی قلاشی کو خوب جانتا تھا۔ ایک توڑا بغل میں دبا لے گیا۔ آبادی سے باہر ایک ٹیلہ پر بیٹھ گیا اور امیر مذکور کو وہاں بلوا بھیجا۔ وہ آیا تو ترتیب بزم کی فرمائش کی وہ تو بقول زندہ دل غالب "قرض کی پیتے تھے" گھبرا گئے۔ بابر نے بغل سے توڑا نکال کر حوالہ کیا اور تھوڑی دیر میں جنگل میں منگل ہو گیا۔ فتحپور سیکری میں یک تخت

---

[١] کابل کے اس سواد کا نام جہاں یہ بزم نشاط گرم ہوتی تھی۔ اصل شعر میں میکدہ ہے ۱۲

شراب سے توبہ کر لی اور پھر کبھی اس کا ذکر کو منہ نہیں لگایا۔

شاہی حرم

بابر نے پانچ شادیاں کیں اوّل عائشہ سلطان بیگم سے۔ یہ بیگم بابر سے کچھ مربوط نہیں ہوئی۔ آخر مفارقت ہوگئی۔ ایک لڑکی اس کے بطن سے تھی مگر بچپن میں فوت ہوگئی دوم معصومہ سلطان بیگم یہ نکاح کے بعد تھوڑے روز زندہ رہی ایک لڑکی ہوئی اسی مرض میں یہ بیگم رحلت کر گئی۔ عائشہ سلطان بیگم کے بعد یہ شادی ہوئی تھی سوم زینب سلطان بیگم سلطان محمود میرزا کی بیٹی تھی اور نہایت بدمزاج۔ بابر اس سے بہت تنگ رہا مگر اجل کی عنایت سے دو تین برس کے بعد نجات مل گئی۔ چہارم ماہم بیگم والدۂ ہمایوں و ہندال۔ پنجم والدہ عسکری و کامران۔ ان دو بیگموں کی نسبت ہمیں نہیں معلوم کہ کس خاندان کی تھیں۔ افغانستان میں یوسف زئی خاندان کی ایک لڑکی کی بابر نے ملکی مصلحت سے خواستگاری کی تھی۔ لڑکی کے باپ نے منظور کیا اور لڑکی کو بادشاہ کے پاس بھیجدیا۔ مگر ہم نہیں کہہ سکتے کہ نکاح ہوا یا ملتوی رہا۔ حرم کے ناجائز قاعدہ سے اس کو سخت نفرت تھی اور اس سے تمتع اٹھانے والوں کو اس نے بہت ملامت کی ہے۔ اس مجمل کیفیت سے یہ رائے شاید پیدا ہو سکتی ہے کہ ایشیائی بادشاہوں کی طرح بابر ہوس پرست نہ تھا۔

نواب صدر یار جنگ بہادر کی تصانیف

ذکر حبیب — یہ رسالہ حضور آقائے نامدار صلعم کے حالات میں مختصر و مستند ہے اور مجالس میں پڑھنے کے لئے نہایت موزوں ہے۔ قیمت ۱/

ذکر جمیل — یہ کتاب حضور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات میں ہے اور درحقیقت آپ کی مقدس زندگی و پاکیزہ اخلاق کا مرقع ہے جس کے پڑھنے سے قلب پر خاص اثر پڑتا ہے۔ یہ مختصر رسالہ اس قابل ہے کہ محافل و مجالسِ میلاد شریف میں پڑھا جائے۔ زبان کی لطافت و شیرینی اور بیان کا حسن ادب قابل داد ہے .. .. قیمت ۳/

سیرۃ الصدیق — حضرت خلیفہ اوّل کے پاک حالات نہایت اعلیٰ درجہ کے چھپے ہوئے حجم تقریباً پونے دو سو صفحے قیمت ۱۰/

ذکرِ محبوب — یعنی وہ بیان جو نواب صدر یار جنگ بہادر نے گیارہویں شریف کی تقریب میں ٹولی مسجد حیدرآباد (دکن) میں بتاریخ ۱۶ ربیع الآخر ۱۳۴۴ھ کیا جس میں حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کے پاکیزہ حالات نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بیان ہوئے ہیں .. .. قیمت ۳/

نقشِ وفا — حقوق و فرائض زوجین کے متعلق نہایت بیش بہا نصائح و مفید ہدایات دستور العمل بنانے کے قابل ہیں۔ نوشتہ جناب مولانا محمد حبیب الرحمن خان شروانی حسرت و جناب نفیس دلہن صاحبہ قدردانہ .. .. .. قیمت ۸/

ملنے کا پتہ محمد مقتدی خان شروانی علی گڑھ

علمائے سلف ہماری قومی زبان اردو کے مشہور مصنف مولنا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کی نہایت مقبول تصنیف (جو عربی کی مستند ترین تاریخی کتابوں کے تقریباً چھ ہزار (۶۰۰۰) صفحات کے عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہے) اس کتاب سے ایک نظر میں معلوم ہو سکتا ہے کہ اپنے عروج کے زمانہ میں مسلمانوں کے اندر علم کا کس قدر ذوق تھا اور مسلمان علماء کی پبلک اور پرائیوٹ زندگی کی کیا کیفیت تھی مختصر یہ ہے کہ ایسی کتاب دنیا کی کسی زبان میں آج تک نہیں لکھی گئی۔ کتاب کی خوبی صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ بیان اور زبان کی پاکیزگی و شستگی کے ساتھ لکھائی چھپائی بھی نہایت دیدہ زیب ہے قیمت ۸ر

نابینا علماء علمائے سلف کے سلسلہ میں یہ رسالہ اُن مسلمان علماء کے حالات میں ہے جنھوں نے سر کی آنکھوں سے محروم ہونے کی باوجود علم کے نور سے نہ صرف اپنے بلکہ دوسروں کے دل و دماغ کو منور کیا۔ دنیا کی ہر زبان میں ایسے رسالے بہت کم ہیں۔ اردو زبان میں یہ سب سے پہلا اور اب تک واحد رسالہ ہے۔ قیمت ۲ر

مجنوں لیلیٰ خمسۂ خسروی کی تیسری مثنوی قیس عامری کے عشق کا مشہور عاشقانہ افسانہ جس میں سوز و گداز اور درد کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ یہ تصحیح و تنقید جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا الحاج محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدر الصدور امور مذہبی ریاست حیدرآباد دکن قیمت سے ر

سرسید کی یاد یعنی وہ مقالہ جو نواب صدر یار جنگ بہادر نے سرسید ڈے کے موقع پر ۲۹ مارچ ۱۹۳۵ء کو مسلم یونیورسٹی کے اسٹریچی ہال (یونین ہال) [illegible] پڑھا تھا جس میں سرسید کی زندگی جد و جہد کا ذکر نہایت دلچسپ و محققانہ پیرایہ میں کیا گیا ہے قیمت ۱۰ر

ملنے کا پتہ محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ

فقۂ حنفی | یعنی وہ رسالہ جس میں فقہ حنفی کی تاریخی حیثیت سے مورخانہ و محققانہ بحث ہے اور جس میں ضمناً حضرت ابوحنیفہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے دو نامور شاگردوں، امام ابویوسف اور امام محمد اور بعض دیگر اساطین فقہ حنفی حضرت عبداللہ ابن مسعود، علقمہ بن قیس، مسروق الہمدانی، اسود النخعی، عمر بن شرحبیل، شریح القاضی، ابراہیم النخعی، حماد بن ابی سلیمان رضی اللہ عنہم کے حالات سے بھی التفات ہے۔ قیمت ۴ر

آفتابِ رسالت | جس میں پیغمبر آخر الزماں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے حالات نہایت صحیح صحیح صاف اور سادہ طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ یہ رسالہ مسلمانوں کے مذہبی جلسوں اور مولود شریف کی محفلوں میں پڑھے جانے کے لائق ہے۔ .. .. قیمت ۸ر

شانِ رسالت | یہ وہ تقریر ہے جو نواب صاحب ممدوح نے اپنے دار الریاست حبیب گنج کی محفل میلاد مبارک میں تاریخ ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۵۳ھ ارشاد فرمائی اور جس میں قرآن شریف کے لفظ "شاکلہ" کی تفسیر بیان کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کے چند مراتب کو اس پر منطبق کیا ہے جیسے رسالت، معراج، شفاعت، رفع ذکر وغیرہ وغیرہ .. .. قیمت ۳ر

رسالتِ عامّہ | یہ بھی نواب صاحب ممدوح کی ایک تقریر ہے جو میلاد مبارک کے جلسے میں کی گئی تھی اور جس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تا قیام قیامت تمام نسلوں، قوموں اور جماعتوں کے لئے ہے۔ .. .. قیمت ۳ر

(مطبع کلاسیکل محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ)

استاذ العلماء

حضرت مفتی محمد لطف اللہ صاحب مرحوم کے سوانح۔ جن کے ضمن میں اُن کے اُستاذ مفتی عنایت احمد صاحب شہید اور اُستاذ الاستاذ مولوی بزرگ علی صاحب مرحوم کے کچھ مختصر حالات اور مفتی صاحب مرحوم کے اعلیٰ شاگردوں کے اسماء بھی شامل ہیں۔ اس رسالہ سے اچھے پہلے زمانہ کے اساتذہ اور تلامذہ کے طریق افادہ و استفادہ پر عمدہ روشنی پڑتی ہے۔ تعلیم قدیم و جدید دونوں سے تعلق رکھنے والوں کے لیے یکساں سبق آموز ہے ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ قیمت ۱۲؍

تبصرہ

(ریویو) تاریخ خطیب بغدادی پر۔ یہ کتاب تاریخ اسلام کے متعلق نہایت معرکۃ الآرا کتاب ہے جو نایاب خیال کی جاتی تھی اور حال ہی میں چھپ کر آئی ہے۔ خود کتاب پر ریویو کے علاوہ مصنف (خطیب بغدادی) شہر بغداد، محمد بن اسحٰق صاحب سیرۃ، محمد بن جریر طبری، امام ابو حنیفہ اور اُن کی فقہ اور اساطین فقہ حنفی مثلاً حضرت علامہ امۃ عبد اللہ ابن مسعود، علقمہ، اسود، شرجیل، مسروق، شریح، ابراہیم، حماد، محمد، ابو یوسف وغیرہم رضی اللہ عنہم اور فقہ حنفی پر نہایت دلچسپ اور مدلل و دل مقالے ہیں ۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ قیمت ۵؍

خطبۂ افتتاحیہ

حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ از مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی۔ کہنے کو تو یہ کانفرنس کا خطبہ صدارت ہے۔ لیکن جو کچھ ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اس کا ایک ایک لفظ عبرت و بصیرت کا باعث اور خواب غفلت سے بیدار کرنے والا ہے ضخامت ۲۰ صفحے۔ قیمت ایک آنہ ۱؍

ملنے کا پتہ محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ

ذکرِ شہِ لولاک

ایک مجلس میلاد کی تقریر جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک حالات اور مبارک عادات اور بطورِ نمونہ چند معجزات نہایت عمدہ پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قیمت ۲ ر

پیغامِ رحمت

یوم النبی کے موقع کی تقریر جس میں بتایا گیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے خدا کی طرف سے اس کے بندوں کو توحید، امن، علم، مساوات، اخوت، حقوق، عدل، پارسائی، تقویٰ اور صفائی و پاکیزگی کے کیسے کیسے جاں پرور پیغام ملے ۔ ۔ ۔ قیمت ۳ ر

اسلامی اخلاق

مضمون اخلاق پر دلنشیں بحث کرنے کے بعد اچھے اور برے اخلاق کے متعلق کثیر التعداد حدیثوں کا اردو ترجمہ دیا ہے اور اخلاق جیسے خشک مضمون کو شگفتہ بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ بڑوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید ہے ۔ ۔ ۔ ۔ قیمت ۸ ر

عرضِ اخلاص

ایک تقریر جس میں بتایا گیا ہے کہ مسلمان لڑکیاں ضرورت زمانہ کے مطابق ضرور عمدہ تعلیم پائیں۔ مگر اس طرح کہ شعائر اسلام پر نہایت استحکام کے ساتھ قائم رہیں اور سادہ اسلامی معاشرت ہاتھ سے نہ جانے دیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قیمت ۲ ر

تذکرۂ بابر

ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی بنیاد رکھنے والے شاہ ظہیر الدین بابر غازی کے نہایت دلچسپ حالات جو اخلاقی اور تاریخی دونوں حیثیتوں سے نہایت دلچسپ اور قابلِ مطالعہ ہیں قیمت ۶ ر

ملنے کا پتہ محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ

خطبۂ صدارت

یعنی جناب مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی سابق صدر الصدور امور مذہبی سرکار نظام کا خطبۂ صدارت جو ممدوح نے بحیثیت صدر اجلاس پراونشل کانفرنس صوبہ بمبئی بمقام پونا اگست ۱۹۱۸ء میں پڑھا۔ قیمت ا ر

خطبۂ صدارت شعبۂ اردو

۱۹۲۸ء میں آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کا پانچواں اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔

نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب حسرت شروانی اس شعبہ کے صدر تھے۔ اس موقع پر آپ نے جو خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا۔ اس نے ہر طرف سے خراج تحسین وصول کیا۔ یہ خطبہ اردو زبان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس مختصر اشتہار میں یہ بتانا ناممکن ہے کہ یہ خطبہ کیا چیز ہے۔ مختصر یہ کہ مصنف کی مدت العمر کی واقفیت، ذوق سلیم، حسن مذاق و وسعت معلومات کا نتیجہ ہے، اور باعتبار جامعیت صحت، تاریخی واقعات، ایجاز و طرز بیان آپ اپنی مثال ہے۔ یہ ایسا خطبہ نہیں جو ایک بار پڑھ لینے یا سن لینے کے بعد بیکار ہو جائے بلکہ باقاعدہ سمجھ کر پڑھنے اور مطالعہ کرنے کی چیز ہے۔ چھپائی لکھائی نہایت عمدہ و نفیس کاغذ سفید چکنا مضبوط قیمت ۸

حالات حزیں

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس منعقدہ بنارس بابت ۱۹۲۲ء نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے مشہور نازک خیال شاعر علی حزیں پر ایک پر مغز لکچر دیا تھا، چونکہ شیخ کو تو بنارس کا مدفن ہے اس لئے یہ لکچر اور زیادہ دلچسپی سے سنا گیا، اس لکچر میں نہ صرف حزیں کے ایک ایک حالات بیان کیے گئے ہیں بلکہ اس کی شاعرانہ حیثیت پر بحث کر کے منتخب کلام بھی دیا گیا ہے۔ قیمت

ملنے کا پتہ محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ

(ذیل کی تین کتابیں (۱) ذکر مبارک (۲) یاد ایام اور (۳) گنجینۂ سلیمانی ۔ نواب صدر یار جنگ بہادر کی مصنفہ نہیں ہیں البتہ ممدوح کی پسند کردہ ہیں)

ذکر مبارک

یہ کتاب حضرت سرورِ کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر مگر معتبر و مستند سوانح عمری ہے۔ باوجود اختصار کوئی ضروری بات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کے متعلق ایسی نہیں ہے جو اس کتاب میں موجود نہ ہو۔ مثلاً حضورؐ کے خاندان ولادت، رضاعت اور ایام طفولیت کے واقعات لکھنے کے بعد زمانہ نبوت سے پہلے کے حالات بیان کئے ہیں۔ اس کے بعد عہد نبوت اور مکہ معظمہ کے زمانہ قیام کے سبق آموز حالات اور کفار سے جو معاملات پیش آئے ان کا ذکر ہے۔ پھر ہجرت اور قیام مدینہ منورہ کے زمانہ کے حالات اور تمام لڑائیوں کا تذکرہ ہے اس کے بعد تمام ضروری حالات زمانہ وفات تک کے لکھے ہیں۔ اخیر میں ازواج مطہراتؓ و اولاد کا مفصل تذکرہ اور پھر بہت خوبی کے ساتھ آپ کے تمام محاسن و اخلاق کا تذکرہ ہے۔ کتاب ۹۹ عنوانوں پر منقسم ہے۔ علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال مرحومہ نے تین مرتبہ کتاب کو بغرض حصول ثواب شائع کیا۔ ایک ہزار جلدیں کانفرس کو بغرض تقسیم عطا فرمائی تھیں جب اخبارات میں اعلان کیا گیا تو قریباً تین ہزار درخواستیں اس کی طلب میں آئیں جب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی کو مسلمانوں کی اس رجحان و شوق کا حال معلوم ہوا تو ممدوح نے بغرض حصولِ ثواب دو ہزار جلدیں اپنے صرف سے طبع کرائیں اور رفاہ عام کے خیال سے اس کی بہت کم قیمت رکھی ہے تاکہ ہر شخص آسانی سے اس کو خرید کر اپنے مولیٰ و آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ حالات معلوم کر سکے۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ خوش حال مسلمان اس کی سیکڑوں جلدیں خرید کر مکتبوں، مسجدوں اور غریب مسلمانوں میں تقسیم کر کے ثواب دارین حاصل کریں۔ قیمت ۔ ۵ر

ملنے کا پتہ محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ

یادِ ایام

مصنفہ جناب مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء جس کو فاضل مصنف نے جناب مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کی خواہش پر تالیف فرمایا ہے۔ اس رسالہ میں عہد اسلامی میں صوبۂ گجرات کی علمی ترقی کی ولولہ انگیز تاریخ نہایت تحقیق و کاوش سے لکھی گئی ہے۔ جس کے مطالعہ سے دورِ ماضی کا علمی مرقع ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ خطۂ گجرات بھی سلاطین اسلام کے زمانہ میں علم و فن کا ایک شاندار مرکز تھا۔ مصنف کی تحقیقات و کاوش قابل ستائش ہے لکھائی چھپائی عمدہ قیمت بارہ آنے " " " " " ۱۲؍

گنجینۂ سلیمانی

شاہ آباد اودھ کا ایک مردم خیز قصبہ ہے یہاں گزشتہ ایام میں ایک نہایت نامور طبیب پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اپنے کمال فن کی بدولت واجد علی شاہ آخری شاہ اودھ سے خان بہادر معالج الدولہ کا خطاب پایا۔ اس کے بعد بھوپال میں بہت عروج حاصل کیا اور ریاست کے افسر الاطباء کے عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ آپ کیا بہ لحاظ کمال فن طب اور کیا بہ لحاظ کیرکٹر غیر معمولی شخص تھے۔ اپنی زندگی میں بڑے بڑے کام انجام دیئے۔ آپ کا دماغ خاص طور پر سیاسی واقع ہوا تھا جس سے آپ نے خوب کام لیا۔ اگر آپ یہ سب دلچسپ حالات معلوم کرنا چاہتے ہیں تو گنجینۂ سلیمانی کا مطالعہ کیجئے یہ کتاب حکیم صاحب یعنی معالج الدولہ خان بہادر حکیم سید فرزند علی صاحب افسر الاطباء کے ایک ہم وطن نے لکھی ہے جو تمام حالات سے واقف ہیں اور جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حاجی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے اپنے مصارف سے طبع کرائی ہے۔ لکھائی کاغذ سب چیزیں نہایت عمدہ ہیں قیمت نہایت کم رکھی گئی ہے تاکہ کتاب کی اشاعت زیادہ ہو اور لوگ فائدہ اٹھائیں۔ قیمت ۸؍

(ملنے کا پتہ محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ)

شروانی بک ڈپو

بفضل خدا شروانی پرنٹنگ پریس کے ساتھ ایک بک ڈپو
بھی شروانی بک ڈپو کے نام سے قائم ہے جس میں اردو کے
نامور و مستند قدیم و جدید اہل قلم کی تصانیف موجود ہیں اور
بکفایت ہدیہ ہوتی ہیں اور معقول رقم کی خریداری پر مناسب
کمیشن بھی دیا جاتا ہے۔ بڑوں، بچوں اور خواتین کے مطالعہ
لائق صرف سنجیدہ اور اعلیٰ مذاق کی اپنی اور دیگر مطابع و
کتاب خانوں کی کتابیں رکھی جاتی ہیں۔ کتابوں کی فہرست
و جملہ خط و کتابت کے لئے پتہ :

محمد مقتدیٰ خاں شروانی، علی گڑھ